قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدل الاشتراک
سالانہ
پاکستان —— ۴۸ روپے
غیر ممالک —— ۱۱۰ روپے

ٹیلیفون
87 92 46
خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور

قیمت فی پرچہ
۴
چار روپے

جلد (۴۱) | اپریل ۱۹۸۸ء | نمبر ۴

فہرست

۱ لمعات: مسئلہ افغانستان اور بھارت کا کردار ۲

۲ روئدادِ خصوصی تقریب بیادِ مفکرِ قرآن ۴
(مرتبہ محمد عمر دراز)

۳ پاکستان میں اسلامی نظام کیوں نہ رائج ہو سکا؟ ۱۰
(ڈاکٹر سید عبدالودود)

۴ ارشاداتِ نبوی کے گہوارے تا بدار (محترمہ ثریا عندلیب) ۲۵

۵ اقبال اور قرآن۔ (عرفان احمد) ۲۹

۶ تصوف، عارفوں کی دنیا، مقامِ نبوت اور منصبِ امت ۳۲
(محترم پرویز صاحب)

۷ حقائق و عبر ۴۴
(۱) کسی شخص کو اسکا عمل نجات نہیں دے گا!
(۲) جماعت اسلامی کے ریکارڈ کی درستی!
(۳) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا محترم پرویز صاحب کو خراجِ عقیدت!
(۴) صحتِ حدیث کے بارے میں محترم پرویز صاحب کا موقف!

۸ پاکستان میں ابوالکلام آزاد مرحوم وغیرہ کی برسیاں! ۵۱

۹ نکاح۔ ایک بلند معاشرتی قدر۔ محمد عمر دراز ۵۸

۱۰ سر سید احمد خان بحیثیت ایجوکیشنسٹ ۶۴
(محترمہ شمیم انور)

ایڈیٹر ... ناشر ... مقامِ اشاعت ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز ۱/۲ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور ۱۴۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

مسئلہ افغانستان اور بھارت کا کردار ا

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ بھارت نے آج تک پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تقسیم ہند کے فیصلے پر کانگریس کی طرف سے بھارت کے موجودہ وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے نانا آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے دستخط کئے تھے۔ وہ ایک طرف اس فیصلہ پر دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف دل سے یہ کہہ رہے تھے:-

"ہماری اسکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت مسٹر جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔"

(PAKISTAN FACES INDIA P. 99)

یہ تھا اعلان اس کانگرسی لیڈر کا جو بزعم خویش سیکولر نظام کا علمبردار تھا۔ لیکن دوسری طرف ہندوؤں کی جماعت ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے جولائی ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے سے صرف ایک ماہ پہلے کہا تھا:-

"ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ پاکستان کو پھر سے ہندوستان کا حصہ بنا لیا جائے۔ اس حقیقت سے متعلق میرے دل میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا، خواہ یہ معاشی دباؤ سے ہو یا اس کے لئے دیگر ذرائع اختیار کرنا پڑیں۔"

(آرگنائزر مورخہ ۳۰ ۷/۴۷)

[illegible] نے جن کا تعلق ہندوؤں کے اعتدال پسند طبقہ سے تھا، یہ کہہ کر ہندوؤں کی ڈھارس

[illegible] کہ وہ

[illegible] تقسیم ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ تقسیم ہند ایک

عارضی سا حادثہ ہے۔ اس کے باوجود ہم تیس کروڑ ہندوؤں کو اس مقصد کے لئے جان تک دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔" (ایضاً)

یہ تھے عزائم ہندوؤں اور کانگریسی لیڈروں کے "تقسیم ہند کے وقت پاکستان کے متعلق۔ ان کو سامنے رکھئے اور سوچئے کہ کیا یہ اعلانات انہوں نے یونہی شوقیہ کئے تھے یا منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے۔ ہرگز نہیں یہ عکاس تھے ان کے پاکستان کے خلاف خبثِ باطن کے! یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ تقسیم ہند کے سلسلہ میں، یعنی تخلیق پاکستان کے ضمن میں تمام ہندو، خواہ ان کا کسی بھی جماعت یا گروہ سے تعلق تھا، اس باب میں یک آواز تھے کہ وہ پاکستان کے اندر اور باہر ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ پاکستان پھر سے ہندوستان کا حصہ بن جائے۔ چنانچہ جس دن پاکستان کے قصرِ رشید کی پہلی اینٹ رکھی گئی تھی اسی دن اس کی شکست و ریخت کے منصوبے بننا شروع ہو گئے۔ ان منصوبوں کا ہدف آزادی، قومی نظریہ اور ثانیاً "نظریۂ پاکستان" کو بنایا گیا، جو پاکستان کے تشخص اور اتحاد کی علامت تھے۔ اگر غور کیا جائے تو ان کی اس وجہ مخاصمت تقسیم ہند نہیں تھی بلکہ وہ مسلم دشمنی تھی جو ان کے دلوں کی شکن در شکن تہوں میں پوشیدہ تھی جس کی نشاندہی آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کر دی تھی کہ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا (غیر مسلم تمہاری بربادی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے)" چنانچہ اندرون پاکستان انہوں نے ناپختہ اور خالی اذہان کو، ابلیسی دسیسہ کاریوں اور ہتھکنڈوں سے، طبقاتی اور لسانی گروہ بندی کے جال میں پھنسا کر ملک پاکستان سے برگشتہ کیا اور بیرونِ ملک اپنی شاطرانہ چالوں سے بین الاقوامی فضاء کو مکدر کرنے کی کی تاکہ بھارت اپنے مشئوم اور ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس اعلان کے سلسلہ میں کہ "غیر مسلم تمہاری بربادی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ:۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (۴۱/۵۳)

ہم اپنی آیات (نشانیاں)، عالم آفاق اور عالم انفس دونوں میں دکھاتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ یہ بات نکھر کر سامنے آجائے کہ قرآن حق ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان حقائق سے خواہ کتنا ہی آنکھیں بند کرے، زمانے کے حوادث اسے بے نقاب کرتے رہیں گے۔ زمانہ نے ثابت کر دیا ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کے کبھی بھی دوست نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اس اللہ کا ارشاد ہے جو قادر مطلق اور خبیر و بصیر ہے۔ اسی لئے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

جب سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے بھارت کسی نہ کسی شکل میں، پاکستان کے لئے مشکلات پیدا کرتا رہا ہے۔ کشمیر کا قضیہ، حیدر آباد دکن، مانگرول، ماناودر، جوناگڑھ کی ریاستوں کا حشر اس سبعیت اور بربریت کی زندہ مثال ہیں۔ تاہم ؎

روان دواں ہی رہا کاروانِ صدق وصفا اگرچہ راہ میں سنگِ گراں بھی آئے ہیں

سفینۂ حق ہمیشہ ساحل سے ہمکنار ہوتا رہا ہے اور تند ہوائیں بادِ شُرطہ کا راستہ نہ کاٹ سکیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تقسیمِ ہند سے لے کر آج تک (بجز مدتِ قلیل) ہندوستان پر نہرو خاندان کی حکومت چلی آرہی ہے، موجودہ وزیراعظم، مسٹر راجیو گاندھی، اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ ان کی گھٹی میں، نہروانہ جذبۂ انتقام، کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ان کی ہر چند یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی موقع ملے پاکستان کو ضعف پہنچایا جاتے اور مسلم بلاک کے اتحاد کو ناکام بنایا جائے۔ اس وقت افغانستان کا مسئلہ "TOPIC OF THE DAY" بنا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ پاکستان شروع ہی سے اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے فعّال کردار ادا کر رہا ہے، یہاں تک کہ اس نے لاکھوں افغان باشندوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ پاکستان کی ان زہرہ گداز کاوشوں کی دونوں سپر پاورز، امریکہ اور روس و دیگر متعلقہ ممالک معترف ہیں۔ لیکن دوسری طرف ۱۹۸۰ء سے، جب سے افغانستان کا بحران پیدا ہوا ہے، بھارت خاموش تماشائی بنا رہا ہے۔ اس نے بظاہر کوئی قابلِ ذکر کردار ادا نہیں کیا۔ اب جبکہ افغانستان کا مسئلہ حل ہوتا نظر آرہا ہے اور اسلامی ممالک کی کوششیں کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، اچانک آٹھ سال بعد بھارت کی دلچسپیاں جاگ اٹھی ہیں۔ چونکہ اب اسے یقین ہو چکا ہے کہ یہ بحران ختم ہوا چاہتا ہے، وہ اپنی ساکھ کی بحالی کے لئے پیچ وخم کھا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بھارت نے تمام متعلقہ حکومتوں سے (ماسوا پاکستان) روابط قائم کئے کہ کسی نہ کسی طرح وہ افغانستان میں سیاسی سمجھوتہ میں اپنے آپ کو متعلق کر سکے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بھارت نے مجاہدین کے مختلف گروہوں سے بھی بات کی ہے۔ جن میں پشاور میں مقیم سات جماعتی اتحاد اور تہران میں مقیم آٹھ جماعتی اتحاد شامل ہیں۔ اسی طرح بھارتی وزیراعظم نے اپنے خصوصی ایلچی کویت، بحرین اور متحدہ عرب امارات بھیجے۔ ان سب میں کویت کی اہمیت اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ اس وقت اسلامی کانفرنس کی تنظیم کا چیئرمین ہے۔ ادھر اٹلی میں مقیم افغانستان کے سابق حکمران ظاہر شاہ سے ملاقات کرنے کے لئے اپنے سینئر وزیر مملکت، برائے امورِ خارجہ، مسٹر نٹور سنگھ کو بھیجا گویا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں بھارت ہاتھ پاؤں نہیں مار رہا۔ لیکن وہ اپنی بدنیتی کی وجہ سے اس دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے۔ چنانچہ اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے

آخری حربہ کے طور پر بجبوراً ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء کو مسٹر راجیو گاندھی نے اچانک صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق کو لاہور میں ٹیلیفون کیا اور انہیں افغانستان کے مسئلہ کے سلسلہ میں، بات چیت کے لئے نئی دہلی آنے کی دعوت دی۔ حالانکہ اگر وہ نیک نیت ہوتا تو خود پاکستان آنے کے لئے کہہ سکتا تھا، کیونکہ یہ وہی راجیو گاندھی ہے، جو خان عبدالغفار خان (مرحوم) کی تجہیز و تکفین پر حاضری دینے کے لئے پروٹوکول کے تمام اسلوب پسِ پشت ڈال کر، پاکستان آگیا تھا۔

متذکرہ حالات کے پیشِ نظر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بھارت کے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد، ایسا سیاسی خلا پیدا ہو جائے، جس سے پاکستان کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اسے بھارت کی عیارانہ چالوں سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اگر بھارت ۱۹۸۰ء سے، افغانستان کے سلسلہ میں بظاہر خاموش رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ اس مسئلہ سے حقیقی معنوں میں لاتعلق تھا۔ وہ کمین گاہ میں گھات لگائے بیٹھا تھا کہ موقع ملے اور وہ خونخوار بھیڑیئے کی طرح پاکستان پر پل پڑے۔ ہمیں کبھی بھی یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اکال لاقم بھارت اپنے مشئوم ارادوں سے باز رہے گا۔ سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ اندرونِ ملک حالات سدھارے جائیں، پاکستان کی نظریاتی قدروں کو اجاگر کیا جائے، عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور ملکی فضا سازگار بنائی جائے۔ اس کے علاوہ مندرج ذیل ارشادِ الٰہی کے مطابق سب سے مقدم فریضہ جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ہے:-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۸/۶۰

"دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ امکان بھر سامانِ حفاظت فراہم کرو۔ اپنی سرحدوں کو فوجی چھاؤنیوں سے مستحکم رکھو تاکہ تم، ان کے ذریعے ان لوگوں کو خائف رکھ سکو جو تمہاری ذات کے بھی دشمن ہیں اور نظامِ خداوندی کے بھی دشمن، اور ان کے علاوہ، انہی جیسے اور دشمنوں کو بھی جن کا ابھی تمہیں علم نہیں ہوا۔ اللہ کو ان کا علم ہے۔"

ایسا کر لیا تو بھارت کیا، دنیا کی کوئی طاقت بھی پاکستان کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

مرتبہ محمد عمر دراز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خصوصی تقریب بیادِ مفکرِ قرآن

محترم غلام احمد پرویزؒ

بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کے زیرِ اہتمام، بروز جمعۃ المبارک، مورخہ ۳ مارچ ۱۹۸۹ء، طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے کٹ دہ صحن میں مفکرِ قرآن کی یاد میں ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت تحریک طلوعِ اسلام کے بزرگ رفیق، ناظم ادارہ طلوعِ اسلام، محترم مرزا محمد خلیل صاحب نے فرمائی۔

تقریب کا آغاز صحنِ گلستانِ قرآن کی عندلیب، محترمہ ثریا عندلیب نے تلاوتِ قرآن کریم سے کیا۔ اگرچہ محترم مرزا خلیل صاحب کرسئی صدارت پر رونق افروز تھے لیکن اپنی محفلوں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے کلامِ اقبالؒ انہی نے پیش کیا۔ تقریب کے لئے اُن کا انتخاب تھا:-

پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
تُو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

اس کے بعد محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے حاضرین سے خطاب کیا۔ اُن کے مقالہ کا عنوان تھا "پاکستان میں اسلامی نظام کیوں نہ رائج ہو سکا؟" چونکہ یہ خطاب اسی شمارہ میں زینتِ دہِ اوراق ہے، اس لئے اس پر تبصرہ سعیٔ لاحاصل ہے۔

محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب، حلقۂ طلوعِ اسلام میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کی فکری کاوشوں سے سبھی واقف ہیں، فکرِ پرویزؒ سے اکتسابِ ضیاء کرنے والے۔ اس صاحبِ قلم نے اپنی پہلی کاوش، PHENOMENA OF NATURE AND THE QURAN کا انتساب محترم پرویزؒ صاحب کے نام ان الفاظ میں کیا ہے:-

To

MY TALENTED TEACHER
ALLAMA GHULAM AHMAD PARWEZ

whose brilliant and fascinating exposition of the
Holy Quran inspired me to earnestly explore the
Divine Message

"میرے فاضل اور قابل اُستاد، علامہ غلام احمد پرویزؒ کے نام جن کی بصیرت افروز اور فکر انگیز قرآنی فکر نے میرے دل میں پیغام خداوندی پر غور و تدبر کے جذبہ اور ولولہ کو پیدا کیا۔"

یہ حقیقت ہے کہ محترم پرویز صاحب کی قرآنی فکر کو، انگریزی دان طبقہ میں، عام کرنے میں محترم ڈاکٹر صاحب کی علمی کاوشوں کا بڑا حصہ ہے۔ محترم پرویز صاحب نے تو انگریزی زبان میں صرف ایک کتاب Islam : A Challenge To Religion ہی تصنیف کی لیکن محترم ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں متعدد کتب ہیں تصنیف کیں اور اپنی ہر تصنیف کے متعلق کھلے دل سے اعتراف کیا کہ اس کی ترتیب و تدوین میں انہوں نے محترم پرویز صاحب کی قرآنی فکر سے بے حد استفادہ کیا ہے۔ وہ اپنی دوسری تصنیف CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں۔

In collecting material for this work I have been fortunate to have benefited from the writings of my illustrious teacher Allama Parwez who has a rare insight into the Quran and has presented the Quranic teachings in their pristine form. I was born and bred in a Quranic atmosphere. But my whole-hearted personal interest in the Quran started after my association with Allama Parwez, some twenty years ago and that interest has made the latter part of my life worth living.

"میرا یہ تصنیفی خرمن، میرے فاضل اُستاد، علامہ پرویز کے فکری خوشوں کا رہین منت ہے جو منفرد قرآنی بصیرت کے مالک ہیں اور جنہوں نے قرآنی تعلیمات کو اپنی اصلی اور منزہ شکل میں پیش کیا ہے۔ میں نے قرآنی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی تاہم قرآن کریم کے ساتھ، میری ہمہ گیر دلبستگی کا آغاز، تقریباً بیس سال پہلے، علامہ پرویزؒ سے قریبی روابط کے بعد ہوا، جس نے میری عمر کے مابعد حصّہ کو زندہ رہنے کے قابل بنا دیا۔"

محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے، محترم پرویز صاحب کی قرآنی فکر سے اکتساب ضیاء کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دیگر کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

THE HEAVENS THE EARTH AND THE QURAN.

FOOD AND HYGIENE IN ISLAM.

GATE WAY TO THE QURAN.

حال ہی میں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی معرکہ آرا کتاب PHENOMENA OF NATURE AND THE QURAN کو Third World Academy Of Sciences کے ایماء پر اردو زبان کا پیرہن عطا کیا ہے جو ابتدائی مراحل کے بعد اب پریس میں ہے اور عنقریب قارئین کے سامنے آجائے گی۔

مزید برآں، انہوں نے محترم پرویز صاحبؒ کی آسان فہم اور بنیادی کتاب "اسلامی معاشرت" کو بنیاد بنا کر، بیرونِ ملک رہنے والے پاکستانی بچوں کے لئے، جن کا ذریعۂ تعلیم اکثر انگریزی ہے، ایک کتاب لکھی ہے Islamic Way Of Living جو بے حد مقبول ہو رہی ہے۔

یہ ہیں محترم ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب، جنہیں پروردگانِ فکرِ پرویزؒ کے درخشندہ موتیوں میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اس خطاب کے بعد، حلقۂ طلوعِ اسلام کی جانی پہچانی شخصیت محترمہ ثریا عندلیب نے اپنا خطاب پیش کیا جس کا عنوان تھا "زندہ جاوید مفکرِ قرآن، ہمارے باباجیؒ کی یاد میں" محترمہ ثریا عندلیب کے خطاب کے بعد، محترم پرویز صاحب کی ایک اور لائق شاگرد، قرآنک ریسرچ سکالر، محترمہ عارفی سلطانہ ایڈووکیٹ نے اپنا برجستہ خطاب بعنوان "عالم اسلام کا تجزیہ" پیش کیا۔

انہوں نے اپنے اس خطاب میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی عام زبوں حالی اور خونِ مسلمان کی ارزانی کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا کہ آج دنیا کی فضا فکرِ پرویزؒ (جو درحقیقت رجعت الی القرآن کی زندگی بخش دعوت ہے) کے لئے نہایت موزوں ہے۔

اس حقیقت کشا خطاب کے بعد مفکرِ قرآن کی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کے مراحل پر مبنی وڈیو فلم دکھائی گئی۔ جس میں ایک طرف مفکرِ قرآن کی اپنی زبان سے اُن کی آرزوؤں کا ذکر تھا اور دوسری طرف اس کے تکمیلی پیکروں کی ایک جھلک۔

یہ ہماری سعادت تھی کہ اس محفل میں تحریکِ طلوعِ اسلام کے ایک اور بزرگ ساتھی اور محترم پرویز صاحب کے قریبی دوست، جناب عبداللطیف نظامی صاحب نے بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ محترم نظامی صاحب، عمر بھر ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے جس ذریعۂ ابلاغ سے وہ قرآنی فکر کو نشر کرتے رہے۔

محفل پر سنجیدگی چھا رہی تھی کہ آپ مائکروفون پر تشریف لائے اور اپنے مخصوص طرزِ کلام سے اس کو بشاشت کا رنگ دے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تحریکِ حصولِ پاکستان کی تاریخ میں، سر سیّد احمد خانؒ، علامہ محمد اقبالؒ اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے بعد، چوتھے نمبر پر محترم پرویزؒ صاحب کا اسمِ گرامی آتا ہے کہ انہوں نے اس دوران، مذہبی محاذ پر مسلمان علماء کی پاکستان مخالفت کا جس جانفشانی اور کامیابی سے اپنی بصیرتِ قرآنی کو بروئے کار لاتے ہوئے مقابلہ کیا اور اُن کی ان حسن کارانہ کوششوں نے جس طرح قائدِ کاروانِ ملّتؒ کے شانہ بشانہ حصولِ پاکستان کو ممکن بنایا۔ اس سے وہ اس مقام کے جائز حقدار

ہیں۔ خبر نہیں اسے خود فریبی کہا جائے یا ابلہ فریبی کہ کارپردازانِ مملکتِ پاکستان کو اس اعتراف کی سعادت کیوں نصیب نہ ہو سکی۔ محترم نظامی صاحب نے یہ بھی کہا کہ محترم پرویزؒ صاحب نے کہا ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے:-

"افراد کی زندگی میں، جذبات کو عقل کے تابع اور عقل کو وحیِ خداوندی کے تابع رکھنا ضروری ہے، اور معاشرتی زندگی کے عقدوں کو انسانی عقل، وحیِ خداوندی اور باہمی مشاورت سے طے کرنا چاہیئے"

محترم نظامی صاحب کے بعد، محترم مرزا محمد خلیل صاحب نے مختصر لیکن جامع صدارتی خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا:-

رفیقانِ گرامی قدر۔ سلام و رحمت!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں مجھے محترم پرویزؒ صاحب کی طویل رفاقت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ اس دوران میں، میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ایسی پرکشش اور باغ و بہار شخصیت کہ اگر کوئی ایک دفعہ اُن کی انجمن میں بیٹھ گیا تو وہ اٹھنے کا نام نہ لے۔ اُن کی قرآنی فکرِ بیکراں کے بارے میں کیا کہا جائے، الفاظ ساتھ نہیں دے رہے۔ اُن کے بارے میں، میں بہت کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ لیکن غیر معمولی نقاہت اور ضعفِ چشم کی وجہ سے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں، تاہم میری آرزو ہے کہ میں اپنے آخری سانس تک محترم پرویزؒ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق وقفِ تگ و تاز رہوں۔ چونکہ میری دونوں آنکھوں میں موتیا اُتر رہا ہے، اوپریشن کے لئے عنقریب بیرونِ ملک جا رہا ہوں۔

برادرانِ محترم! میرا سر ہر وقت بارگاہ ایزدی میں اس دعا کے ساتھ جھکا رہتا ہے کہ اے بارِ الٰہا! میری آنکھوں کا اپریشن کامیاب رہے تاکہ قرآنی فکر کے لئے مزید خدمت سرانجام دینے کے قابل ہو سکوں!

اس ضمن میں آپ سب احباب کی نیک تمناؤں کا طالب ہوں۔

آخر میں اس پیکرِ صدق و وفا کی رفاقت کا ذکر کرتے ہوتے آپ سے یہ کہتے ہوئے اجازت چاہوں گا کہ۔

وہ جو ساتھ تیرے گذر گئی اُسی زندگی کی تلاش ہے!

دراس کے ساتھ ہی یہ سادہ و خوبصورت تقریب اختتام پذیر ہو گئی۔

محترم ڈاکٹر
سید عبدالودود صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں اسلامی نظام کیوں نہ رائج ہو سکا؟

جنابِ صدر، قابلِ احترام بہنوں اور بھائیو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

سب سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ آج ہم اس مفکرِ قرآن کی یاد منانے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ جس نے اپنی زندگی اسلامی نظام کے قیام کی رہنمائی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ لیکن افسوس کہ اسلامی نظام آج تک پاکستان میں رائج نہ ہو سکا۔ یوں تو مملکتِ پاکستان کا ہر حکمران عوام کے مذہبی رجحانات کے پیشِ نظر اسلام کا نام اپنی ذاتی اغراض کی خاطر استعمال کرتا رہا لیکن جس زور شور سے گزشتہ دس سال میں اسلام کے نام کی ڈگڈگی بجائی گئی اس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاہم جس قدر ڈگڈگی کا شور بڑھتا گیا اسی قدر تماشے کا رنگ پھیکا پڑتا گیا! اس لئے کہ یہی اس کا مقدر تھا۔ جس کام کو کوئی انسان شروع کرے، اگر اس کے متعلق ذہن صاف نہ ہو۔ اور کام کا پورا نقشہ سامنے نہ ہو تو اس کا عمل یقیناً رائیگاں جائے گا۔ کسی جرنیل کے سامنے میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے جنگ کا پورا نقشہ اور پوری پلاننگ نہ ہو تو جس روز وہ میدانِ جنگ میں جائے گا اسی روز سے اس کا واٹرلو (WATERLOO) شروع ہو جائے گا۔ جو حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داری لے، اس کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام ہے کیا چیز؟ اسلام ایک دین ہے، زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے۔ ایسا طریقہ جس سے فلاح کا راستہ کھلتا ہے اور جس سے زندگی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوتی ہے وہ راستہ کیسے اور اس کے لئے رہنمائی کہاں سے ملتی ہے؟ وہ رہنمائی فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ۙ (۵۶:۷۸)۔ ایک ایسی کتاب میں ملتی ہے۔ جس کے قوانین، مستقل اقدار اور احکام اس کے اندر اسی طرح محفوظ پڑے ہیں، جس طرح موتی سیپ کے اندر محفوظ ہوتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی ناکامیوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کتابِ مکنون سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے مذہبی پیشوائیت کا سہارا ڈھونڈتے رہے۔ پاکستان کا تخیل علامہ اقبالؒ نے دیا اور اسے عملی جامہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے پہنایا۔ دونوں قائد اس ملک میں اللہ کی کتاب کی حکمرانی کے خواب دیکھتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد مملکتِ پاکستان کی باگ ڈور ایسے حکمرانوں کے

چلاتی رہی جو اللہ کی کتاب کی حکمرانی کی بجائے اپنے خود تراشیدہ تخیلات و تصورات کے تحت نظامِ حکومت چلاتے رہے۔ اور آخر میں ایک ایسا حکمران آیا جس نے حکمرانی تو اپنے خود ساختہ قوانین کے مطابق کی لیکن اس کے لئے سہارا مذہبی پیشوائیت کا لیا، حالانکہ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ THEOCRACY کے خلاف تھے اور پکار پکار کر کہتے رہے کہ پاکستان میں PRIESTHOOD یا ملائیت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسا کہے کہ پاکستان میں ملائیت کے لئے گنجائش نہیں تو مُلا سیخ پا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ PRIESTHOOD ختم ہونے سے مُلا خود ختم ہو جاتا ہے۔ مُلا سارا زور اس پر لگاتا ہے کہ اسلام باقی رہے نہ رہے، PRIESTHOOD ضرور باقی رہے۔

مسلمانوں کی ساری تاریخ اسی اُدھیڑ بُن کی داستان ہے۔ چونکہ اس زمانے میں یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہُڈ کی گنجائش نہیں اور مسلمانوں کی تباہی کا باعث مُلا ہے، اس لئے مُلا نے اپنی مدافعت کے لئے حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ مدافعت کرنے والوں میں پرانی وضع کے مُلا بھی شامل رہے ہیں اور ماڈرن مُلا بھی۔ چنانچہ ماڈرن مُلاؤں کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم فرما گئے ہیں:۔

"حال ہی میں ایک نیا اندازِ فکر پیدا ہوا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہُڈ نہیں۔ قرآن اور سنت اور شریعت پر کوئی مُلا اجارہ دار نہیں ہے کہ بس وہی اس کی تعبیر کرنے کا مجاز ہو۔ جس طرح وہ تعبیرِ احکام اور اجتہاد و استنباط کرنے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح ہم بھی یہ حق رکھتے ہیں۔ اگر جہالت کی طغیانی کو یوں بڑھنے دیا گیا تو بعید نہیں کہ کل کوئی اٹھ کر کہے کہ اسلام میں وکیل ہُڈ نہیں، اس لئے ہر شخص قانون پر بولے گا، چاہے اس نے قانون کا ایک لفظ بھی نہ پڑھا ہو۔ اور پرسوں کوئی اور صاحب اٹھیں اور فرمائیں کہ اسلام میں انجینئرنگ ہُڈ نہیں ہے، اس لئے ہم انجینئرنگ پر کلام کریں گے۔ اور چاہے اس فن کی الف ب سے بھی واقف نہ ہوں۔ اور پھر کوئی تیسرے صاحب اسلام میں ڈاکٹر ہُڈ کا انکار کر کے مریضوں کا علاج کرنے کھڑے ہو جائیں، بغیر اس کے کہ ان کو علمِ طب کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔"

(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۲ء)

محترم پرویز صاحب نے مودودی مرحوم کے اس استدلال کو یوں رد کیا فرمایا:۔

آپ غور کیجئے کہ مودودی صاحب نے ایک تشبیہ کو کس طرح دلیل بنا کر پیش کیا اور خوش ہو گئے کہ انہوں نے اسلام میں پریسٹ ہُڈ کا وجود ثابت کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور وکالت فنی پیشے ہیں اور ان کے لئے خاص فنون کا علم ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دین بھی اسی

قسم کی فنی چیز ہے جس کے لئے خاص قسم کی ٹیکنیکل تعلیم کی ضرورت ہو؟ دین کی وہ کون سی ٹیکنیکل تعلیم تھی جسے صحابہ کرامؓ نے حاصل کیا تھا اور جس کے بعد وہ دین میں بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ انہوں نے کون سے ملٹری کالج میں ٹریننگ لی تھی کہ چند برسوں میں ۳۶ ہزار قلعے اور شہر فتح کر لئے تھے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے ان ۱۸ فنی علوم میں سے کسی ایک کی بھی تعلیم حاصل کی تھی جو آج ہمارے دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں اور جن کی تحصیل کے بعد ایک طالب علم کو عالم بننے کی سند عطا ہوتی ہے؟ کیا قرآن نے کہیں ایک جگہ بھی لکھا ہے کہ جب تک یہ ۱۸ علوم نہ پڑھے جائیں قرآن سمجھ میں نہیں آئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو فن بنانے کے لئے مُلّا نے خود ہی یہ ۱۸ علوم وضع کئے اور اس کے بعد یہ اعلان کر دیا۔ کہ ان علوم کے مجموعے کا نام دین ہے۔ دین کے متعلق یہ بنیادی تصور ہی باطل ہے، اس لئے اس غلط بنیاد پر اٹھی ہوئی یہ عمارت فساد کی جڑ ہے۔ جہاں تک ہدایت کا تعلق ہے، قرآن کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (۵۴/۱۷)۔ ہم نے ہدایت اور رہنمائی کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ لیکن مُلّا کہتا ہے کہ اللہ میاں (معاذ اللہ) غلط کہتے ہیں اور اس کو سمجھنے کے لئے ان ۱۸ علوم کی ضرورت ہے جو انسانوں کو دین و دنیا میں ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ دین انسانی دنیا کے روزمرہ معاملات سے بحث کرتا ہے اور روزمرہ کے معاملات فنی علوم کے محتاج نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے حکم دیا ہے کہ ان معاملات کو باہمی مشاورت سے طے کرو۔ قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ یہ مشورہ ان لوگوں سے لیا کرو جن کی پیٹھ پر ان اٹھارہ علوم کی کتابوں کے پشتارے لدے ہوں۔ قرآن نے مشاورت کے لئے کوئی حدود نہیں کھینچیں، اسے ملّت کے لئے عام کر دیا، لیکن مُلّا نے اسے ان لوگوں تک محدود کر دیا، جو ان ۱۸ علوم کے حامل ہوں۔ اسی کا نام پریسٹ ہڈ ہے۔ اس کی نہ اسلام میں گنجائش ہے اور نہ عقل و فکر رکھنے والی قوم کو ضرورت۔ قوم کی پارلیمنٹ (مجلس مشاورت) ملّت کے عام نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نہ کہ ٹیکنیکل علوم کے ماہرین پر۔ یہی مسلک قرآن نے تجویز کیا تھا اور اسی کو دنیا کی باقی قوموں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ ہے فرق دین میں اور ڈاکٹری یا انجینئرنگ میں۔"

پریسٹ ہڈ کی اجارہ داری کی سب سے تنگ شکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے دین کی اتھارٹی کو ایک خاص وضع قطع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ خاص وضع قطع رکھنے والا اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے علماء کے زمرہ میں شامل کر لیا جائے خواہ اس نے ان کے کسی دینی مدرسے سے ان علوم کی باقاعدہ تعلیم نہ بھی حاصل کی ہو۔ لیکن جو اس قسم کی وضع قطع نہ رکھتا ہو۔ وہ اٹھارہ علوم چھوڑ کر بیسیوں علوم کا عالم بھی کیوں نہ ہو علماء کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن نے علماء کا لفظ سائنسدانوں

ے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ کہا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ
وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝ (۳۵: ۲۷-۲۸)

"ذرا غور کرو کہ بادلوں سے پانی برستا ہے لیکن اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور
ہاڑوں کو دیکھو کہ ان میں مختلف رنگوں کے خطے ہیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی کالا بھجنگ۔ اس طرح
نسان، دیگر حیوان اور مویشی بھی مختلف رنگوں کے ہیں۔ صحیفۂ فطرت کے یہ اوراق جو قوانین خداوندی کی
ندہ شہادات ہیں، سب کے سامنے کھلے رہتے ہیں۔ لیکن ان قوانین کی عظمت کے سامنے وہی لوگ
جھکتے ہیں جو ان شہادات پر علم و بصیرت سے غور و فکر کرتے ہیں۔ یہی لوگ علماء ہیں اور یہی جان سکتے
ہیں کہ خدا کا قانون کس قدر غلبہ کا مالک ہے۔ اور جو اس کے مطابق چلتا ہے وہ اسے کس قدر سامانِ
حفاظت عطا کرتا ہے۔"

سائنس کی رو سے رنگوں کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ اور قرآن ان دساتیرِ فطرت پر غور کرنے والوں
کو عالم کہتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر کائنات کے سارے رنگ اڑا کر اسے یک رنگ کر دیا جائے تو باقی
کیا رہ جاتا ہے؟ ایک مُلّا نے علامہ اقبالؒ کے متعلق کہا کہ انہیں سکالر تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن عالم نہیں
کہا جا سکتا۔ ابھی کچھ عرصہ پیشتر ڈاکٹر اسرار احمد سے بھی یہی سوال کیا گیا تھا۔ اور ان کا بھی قریباً یہی جواب تھا
جو نوائے وقت میں شائع ہوا تھا۔ ہاں یہ درست ہے علامہ اقبالؒ کو جس نے ساری دنیا میں اپنے علم
کا سکہ بٹھایا، کون عالم کہہ سکتا ہے؟ اور اس سائنسدان کو کون عالم کہہ سکتا ہے جس نے ایک بجلی کا
ب ایجاد کر کے ساری دنیا کو روشن کر دیا۔ اور وہ لوگ تو عالم کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں جنہوں نے
کے ذرے کو چیر کر رکھ دیا۔ ہاں عالم وہ ہوتا ہے جس کی داڑھی کم از کم ایک فٹ لمبی ہو، جس کا پاجامہ ٹخنوں سے
نچی ہو، جس کا چغہ گھٹنوں سے کافی نیچا ہو اور جو چلتا پھرتا کارٹون نظر آئے۔ یہ تھے وہ علماء جن کا سہارا لے
ب صدر نے دس سال تک اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششیں کیں۔ اگر وہ اپنی ان کوششوں میں مخلص
آج اپنی ناکامی کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں۔

اب آئیے آپ کو اس تماشا گاہ میں لے چلیں جہاں اس طویل مدت تک تماشا ہوتا رہا۔ وہاں کیا
کیا نہ کیا گیا۔ اس تماشا گاہ میں جو شو دکھائے گئے ان کی فہرست تو لمبی ہے لیکن ہم مختصر بات

کریں گے۔ یہاں سب سے زیادہ دلچسپ مشوۂ حدود آرڈیننس کا تھا۔ اس میں زنا بالجبر کے متعلق الفاظ یہ ہیں:-

PROOF OF ZINA OR ZINA-BIL-JABAR LIABLE TO HADD.

This shall be in one of the following forms:-

a) The accused makes before a court of competent jurisdiction a confession of the commission of offence. OR

b) At least 4 muslim adults make witnesses, about whom the court is satisfied having regard to the requirements of 'TAZKIYAH-AL-SHAHŪD', that they are truthful persons and abstain from major sins 'KABĀIR', give evidence as eye-witnesses of the 'ACT OF PENETRATION' necessary for the offence: provided that if the accused is a NON-MUSLIM, the eye-witnesses may be non-muslims. (PAKISTAN TIMES, FEB. 12th, 1979)

"زنا یا زنا بالجبر کا ثبوت جس پر حد لگائی جا سکے گی، اس کی مندرجہ ذیل شکلیں ہوں گی:-

(الف) ملزم ایک با اختیار عدالت کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرے یا (ب) کم از کم چار ایسے گواہ جو بالغ مرد ہوں اور جن کے متعلق عدالت مطمئن ہو کر وہ تزکیۃ الشہود کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور جو سچے لوگ ہوں اور کبیرہ گناہوں سے بچے ہوئے ہوں، شہادت دیں کہ انہوں نے دخول کے عمل کو جو کہ اس جرم کے لئے ضروری ہے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ البتہ اگر ملزم غیر مسلم ہو تو چشم دید گواہ بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔"

اس ضمن میں پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے معاشرے میں جہاں افراد قرآن کی تعلیم سے قطعاً بے بہرہ ہوں اور جہاں ہر گواہ (اِلّا ماشاء اللہ) عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اقرار کرے کہ جو کہوں گا ایمان سے سچ کہوں گا اور اس کے بعد بے دریغ جھوٹ بولتا جائے، ایسے گواہ کہاں سے ملیں گے جن پر سو فی صد اعتبار کیا جا سکے۔ بہرحال یہ ایک ثانوی چیز ہے جو بات زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ زنا کا عمل ایک ایسی چیز ہے جس کا ارتکاب کبھی کھلے بندوں نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ قریباً ناممکن ہے کہ زنا کے عمل کو دیکھنے والے چار شخص موجود ہوں۔ یہ تو یورپ اور امریکہ میں بھی ممکن نہیں جہاں بن بیاہے جوڑے اکٹھے رہتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سے یہ قانون پاکستان

میں نافذ ہوا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک کتنے مقدمات سامنے آئے ہیں جن میں زنا کے عمل کے چار چشم دید گواہ پیش ہوئے ہیں؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ اس عرصہ میں کوئی زنا سرزد نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی قانون سازی قرآن سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن نے جس آیت میں چار چشم دید گواہوں کی شرط رکھی ہے وہ فواحش (مبادیاتِ زنا) کے متعلق ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (۴:۱۵)

مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کی حرکت سرزد کر بیٹھیں۔ (یعنی جو زنا کی طرف لے جانے کی موجب ہو سکتی ہے) تو ان کے خلاف اپنے میں سے چار گواہ لاؤ اور اگر وہ شہادت دیں (اور جرم ثابت ہو جائے) تو ان عورتوں کو گھروں میں رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا ان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے جس سے وہ اس قسم کی حرکات سے باز آجائیں۔ (مثلاً اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کی شادی ہو جائے)"

دوسری طرف زنا کے متعلق جو آیت ہے وہ یہ ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۲۴:۲)

"زانی عورت اور زانی مرد، ان دونوں کو سو سو کوڑوں کی سزا دو (یہ قانون کا معاملہ ہے) اس لئے اس میں کسی قسم کی نرمی نہ برتو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو (یعنی اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہو کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور ان کے نتائج سامنے آکے رہیں گے خواہ اس دنیا میں ہوں یا اس کے بعد کی زندگی میں)۔ یہ سزا مومنین کے ایک گروہ کے سامنے نافذ کرو"

اب مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور کیجئے۔ آیت (۴:۱۵) میں بے حیائی کی طرف اشارہ ہے اور آیت (۲۴:۲) میں زنا کا ذکر کھل کر کیا گیا ہے۔ آیت (۴:۱۵) میں صرف عورت کی بے حیائی کا ذکر ہے اور آیت (۲۴:۲) میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر ہے۔ آیت (۴:۱۵) میں چار گواہوں کا ذکر ہے۔ آیت (۲۴:۲) میں گواہوں کا کوئی ذکر نہیں۔ آیت (۴:۱۵) میں سزا عورت کو گھر میں بند کر دینا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے لیکن آیت (۲۴:۲) میں سزا مرد اور عورت دونوں کیلئے سو سو کوڑے ہیں۔

چنانچہ فحش اور زنا میں فرق کرنا ضروری ہے فحش (مادہ ف ح ش) کے معنی حد سے بڑھ جانا یا تجاوز کر بیٹھنا ہے۔ قرآن کریم میں فحشا کا لفظ عدل کے مقابلہ میں بھی آیا ہے۔ (۱۶:۹۰) اور قسط کے مقابلہ میں بھی (۲۹-۲۸:۷) بخیل کو بھی فاحش کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ لفظ فضل کے مقابلہ میں آیا ہے (۲:۲۶۸) حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ (۷:۸۰) تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو؟ پھر اس سے اگلی آیت میں کہا گیا کہ اس بے حیائی سے مراد اغلام ہے (زنا نہیں)۔

مندرجہ بالا آیات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فحش کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے گو آیت (۱۷:۳۲) میں زنا کو فاحشہ کہا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ جہاں فاحشہ کا لفظ آیا ہے اس کے معنی زنا ہے۔ آیت ۴:۱۵ اور ۲۴:۲ میں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ فواحش اور زنا کے ثبوت کو بھی اور ان کی سزاؤں کو بھی واضح طور پر الگ الگ کر دیا ہے۔ سورۃ انعام میں ہے۔۔۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔۔۔۔۔۔ (۶:۱۵۲) "تم فواحش کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں" چنانچہ لفظ فواحش بطور جمع خود اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدود شکنی اور بے حیائی آجاتی ہے۔ زنا کا ارتکاب فوری طور پر ظہور میں نہیں آتا۔ اس میں غیر مرد اور عورت پہلے آپس میں ملنے جلنے کے تعلقات پیدا کرتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ہم آغوشی تک نوبت آتی ہے اور آخر میں ـــــ بات جنسی اختلاط تک پہنچتی ہے۔ قرآن کریم ان مبادیات سے روکنا چاہتا ہے تاکہ بات آگے بڑھنے نہ پائے۔ یہی وہ فواحش ہیں جن کا ذکر آیت (۴:۱۵) میں ہے۔ اور جس کے متعلق کہا گیا کہ چار گواہ لاؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی قانون سازی کا جواز کیا ہے جس پر کبھی عمل نہ ہو سکے۔ بس قانون بنایا اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے اسلام کا نظام رائج کر دیا۔

ربٰو دوسری مثال ربٰو کی لے لیجئے۔ اوّل تو ربٰو کا دائرہ سود تک محدود کر دیا اور پھر سود کی ممانعت بھی ایسے بھونڈے طریقے سے کی گئی جس پر عقل روتی ہے۔ P.L.S. کا اکاؤنٹ بنکوں میں کھلوا کر کہہ دیا کہ سود کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ یعنی سود کا نام منافع رکھ کر اسے مشرف بہ اسلام کر دیا۔ بنکوں کے کاروبار میں رتی بھر تبدیلی نہیں ہوئی۔ بنک P.L.S. اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم کو بدستور کاروباری لوگوں کو دے کر ان سے پندرہ فی صد یا اس سے زیادہ سود وصول کرتے ہیں۔ اور اسی سود سے کمائی ہوئی رقم میں سے کھاتہ داروں کو منافع کے نام پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہمارے مُلّائیت زدہ حکمرانوں نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ ربٰو کے معنی کیا ہیں۔ قرآن کا حکم ہے۔۔۔۔۔ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔۔۔۔۔ (۲:۲۷۵) بیع کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ اور ربٰو کو حرام۔ قرآن نے اٹل قانون دیا ہے کہ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ

اِلَّا مَا سَعٰیؕ (۵۳:۳۹) انسان کا حصہ اسی قدر ہے جس قدر کہ وہ محنت کرتا ہے تجارت میں انسان محنت اور سرمایہ دونوں صرف کرتا ہے اور ربٰو میں صرف سرمایہ لگاتا ہے۔ محنت نہیں کرتا۔ چنانچہ ہر قسم کا وہ روپیہ جو بغیر محنت کے کمایا جائے یعنی PROFITEERING ربٰو میں شامل ہے اور حرام ہے۔ اس بے ترتیبی اور بے عقلی اور قرآن کے بنیادی تصورات سے بے بہرہ پن کے ذریعے جو اسلام رائج کیا گیا اس کا نتیجہ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

قرآن وسُنّت۔ ہمارے حکمران بلا سوچے سمجھے قرآن وسنّت، قرآن وسنّت پکارتے چلے جاتے ہیں حالانکہ نہ کبھی قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ حضور نبی اکرمؐ کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی پر توجہ دیتے ہیں۔ حضورؐ نے اپنی مکی زندگی میں پورا وقت افراد کی تعلیم و تربیت اور ذات کی نشوونما میں صرف کیا۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تو اس وقت قوم ذہنی طور پر بالغ ہو چکی تھی۔ لیکن کیا پاکستان میں اسلام کی ڈگڈگی بجانے والوں نے حضورؐ کی اس سنّت پر عمل کیا؟ ان کے اپنے ذہن اسلام کے متعلق صاف نہیں تھے وہ قوم کی تربیت کیا کرتے؟ کم از کم بچوں کی تربیت پر ہی توجہ دی جاتی۔ سکولوں اور کالجوں میں اسلامیت کا مضمون ایسے طریقے سے ترتیب پایا کہ اس سے بچوں کے ذہن میں قرآن کے بنیادی تصورات نہ اُبھر سکے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ بچوں کی تعمیرِ ذات کی جاتی۔ ان میں وسعتِ نظر پیدا کی جاتی، ان میں ذاتی ذمّہ داری کا احساس پیدا کیا جاتا، ان میں قانون کا احترام پیدا کیا جاتا، ان کے درس و تدریس میں وحدتِ اُمّت کی بنیاد رکھی جاتی، ان میں احترامِ انسانیت کا جذبہ بیدار کیا جاتا، ان کو قرآن کی ہدایت کے مطابق، وحدتِ انسانیت کے تصوّر کی طرف متوجہ کیا جاتا۔ سب سے اہم چیز یہ کہ ان کو قانونِ مکافاتِ عمل سے آشنا کیا جاتا۔ پھر ان کو تسخیرِ کائنات کی اہمیت سے آگاہ کیا جاتا! انکو احساس دلایا جاتا کہ جو قومیں آج تسخیرِ کائنات میں آگے ہیں، دنیا کی لیڈرشپ ان کے ہاتھوں میں ہے پھر انکو بتایا جاتا کہ تسخیرِ کائنات کے ماحصل کو جب تک انسانیت کی بہبود کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا، دنیا میں سکون و ثبات پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی طریق ہے جس سے وہ اقوامِ عالم سے آگے نکل سکتے ہیں۔ اور رہنمائی کی پوزیشن حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے اسلامیات کی تعلیم کو ایک محدود دائرے کے اندر بند کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دینی اور دنیاوی تعلیم کو یکجا کر کے "از کلیدِ دیں درِ دُنیا کشاد" کو عملی رنگ دیا جاتا۔ دینی تعلیم تو ایک طرف اچھے بھلے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک، ایف ایس سی، اور بی ایس سی پاس کرنے والے طالب علموں کو اپنا کیریر (CAREER) بنانے کے لئے راستہ نہیں مل رہا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کے فرعونی عمل

پر ہمارے حکمران عمل پیرا ہیں۔ پھر ریڈیو ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ کو خرافات پھیلانے کی بجائے بچوں اور بالغوں کی ذہنی تربیت کے لئے استعمال کیا جاتا۔ لیکن نہ سرکاری ذرائع ابلاغ نے اس طرف توجہ دی اور نہ ہی اخبارات نے نام نہاد مغربی جمہوریت کی وکالت اور عورتوں کی رنگین تصویریں چھاپنے کے سوا کوئی ٹھوس کام کیا۔ ٹیلی ویژن صرف تفریح طبع اور شیروانیوں کی نمائش کا ذریعہ بن کے رہ گیا۔ اور اس کے فروغ کے ساتھ ساتھ اسلام اسلام کا شور بھی جاری رہا۔

احترامِ آدمیت ۔ حضور نبی اکرمؐ نے نہ صرف احترامِ آدمیت کا سبق سکھایا۔ بلکہ اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حضورؐ نے ذات پات، حسب نسب، رنگ و نسل کی تفریق مٹا کر دکھائی۔ کیا پاکستان کے حکمرانوں نے اس طرف کوئی توجہ دی؟ حضورؐ نے قرآن کی اس تعلیم کو کہ عزت و تکریم کا معیار انسان کے ذاتی جوہر ہیں، عملی طور پر سچ کر دکھایا، لیکن پاکستان میں تکریمِ آدمیت کا معیار پیسہ قرار پایا۔ سیاستدان اور سمگلر پیسے کے زور پر آگے آ کر مکرم بن گئے۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرد کی آزادی اور اس کے احترام کا نہ صرف سبق دیا بلکہ اس کا عملی نمونہ اس حد تک پیش کیا کہ حضورؐ کے خود آزاد کردہ غلام زیدؓ کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ آپ مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے جو منع فرما رہے ہیں تو آپ کا اپنا مشورہ ہے یا وحی کا حکم ہے؟

نظامِ عدل۔ حضورؐ نے نظامِ عدل کو عملی طور پر رائج کر کے دکھایا۔ روزمرہ کی زندگی میں بھی اور عدالت کے کٹہرے میں بھی۔ قرآن کا حکم ہے کہ حق کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ (۲:۴۲) نہ ہی حق اور باطل میں التباس (CONFUSION) پیدا کرو، شہادت کو کبھی نہ چھپاؤ (۲:۲۸۳) کسی قسم کے لالچ یا ذاتی منفعت یا رُو رعایت یا بُغض و عداوت کے خیال کے بغیر محض حق کی خاطر شہادت دو۔ خیانت کرنے والوں کے CAUSE کو پلیڈ (PLEAD) نہ کرو (۴:۱۰۵) مجرمین کے پشت پناہ مت بنو (۲۸:۱۷) حضورؐ کے زمانہ میں ان احکامِ قرآنی کا چلن رہا۔ لیکن پاکستان میں حضورؐ کی اس سنت کے برعکس نظامِ عدل کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ عدالتوں کی جو بدترین حالت ہے، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ کی کتاب کا ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے اعلان کیا کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ خدا اُسے ضابطۂ ہدایت، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ دوسرے لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے احکام کی بجائے میرے احکام کی اطاعت کرو (۳:۷۸)

جناب صدرِ مملکت! میں بصد احترام سوال کرتا ہوں کہ جب اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کو بھی خود ساختہ قوانین نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی تو آپ کو اسلام کے نام پر اپنا اور مذہبی پیشوائیت

کا اقتدار نافذ کرنے کی اجازت کس نے دی؟ یہ کونسا اسلام ہے؟ یہ نبیؐ کی کون سی سنّت ہے؟ یہ درست ہے کہ کسی معاشرے میں کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا جب تک افراد پر کچھ پابندیاں عائد نہ ہوں۔ لیکن از روئے قرآن یہ پابندیاں قانون کی رُو سے عائد ہوں گی۔ اور اس قانون کی اصلی حدود وحی کی رُو سے عائد ہوں گی۔ (۳۰:۷۹) حضورؐ نے عملاً ایسا کیا چنانچہ یہی حضورؐ کی سنّت ہے۔ لیکن اس کے برعکس گذشتہ دس سال میں اور اس سے پیشتر بھی عوام الناس پر خود ساختہ پابندیوں کے رواج کو استحکام بخشا گیا قرآن کہتا ہے کہ جو کچھ تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے سوا کسی سرپرست کا اتباع نہ کرو۔ (۷:۳) اس قانون کا اطلاق ہر فرد معاشرہ پر یکساں طور پر ہوتا ہے اور کوئی بڑی سے بڑی ہستی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حتیٰ کہ رسولؐ جن کی وساطت سے قوانینِ خداوندی دوسرے انسانوں تک پہنچے، وہ بھی اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کرتے ہیں کہ میں اس کے علاوہ کہ جو کچھ مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اور کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا اور اس طرح میں ان سب سے اوّل نمبر پر ہوں۔ جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں (۶:۱۶۳) گویا رسولؐ قوانین خداوندی کا اتباع پہلے آپ کرتا ہے اور پھر دوسروں سے اس کی اطاعت کرواتا ہے۔ اس طرح کوئی کسی کا غلام نہیں رہتا۔

اسلامی نظام کا فریضہ ہے کہ قرآن کی مستقل اقدار و احکام کو معاشرہ میں نافذ کرے۔ لیکن یہ مستقل اقدار، حدود، کی شکل میں ہیں۔ ان اصولوں کے جزئیات ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق نظامِ معاشرہ کو خود متعین کرنی ہوتی ہیں۔ از روئے قرآن یہ کام کسی فرد کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ نمائندگانِ ملّت کے باہمی مشورہ سے سرانجام پاتا ہے۔ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ ..... (۴۲:۳۸) لیکن یہ مغربی جمہوریت کا نظام نہیں جس میں اقتدار کسی پارٹی کا یا عوام الناس کا ہوتا ہے اور جو کچھ ۵۱ فی صد لوگ فیصلہ کر دیں باقی ۴۹ فی صد کو یہ ماننا پڑتا ہے۔ اسلامی نظام میں حکمرانی اللہ کی کتاب کی ہوتی ہے اور مجلس مشاورت صرف اس حکمرانی کے نفاذ کے طور طریقے وضع کرتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ امورِ مملکت نا اہلوں کے سپرد نہ کئے جائیں۔ اسلامی معاشرے میں اربابِ حل و عقد متاعِ ملّت کے امین ہوتے ہیں (۴:۵۸) اس نظام کے قیام و استحکام کے لئے ضروری ہے کہ یہ عظیم ذمہ داریاں ان لوگوں کے سپرد کی جائیں جو ان سے عہدہ برآ ہونے کے اچھی طرح اہل ہوں۔ یہ ذمہ داریاں درحقیقت نظامِ خداوندی کی امانتیں ہیں جن میں خیانت نہیں ہونی چاہیے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں اربابِ حل و عقد کے سپرد اقتدارات و اختیارات نہیں بلکہ امانتیں کی جاتی ہیں از روئے قرآن رزق کی ذمہ داری معاشرے پر ہے چنانچہ نظامِ مملکت کے بنیادی مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ قرآن

کہتا ہے کہ جو مملکت قوانین خداوندی کے نفاذ کے لیے معرض وجود میں آتی ہے وہ ان تمام ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لے لیتی ہے جنہیں اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ مملکت تمام افراد کو اس امر کی ضمانت دیتی ہے کہ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (۶:۱۵۱) ہم تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ رزق میں جسمانی پرورش اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کے سامان اور ذرائع شامل ہیں۔ اسلامی مملکت اور افراد معاشرہ کے درمیان ایک خرید و فروخت کا معاہدہ ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۹:۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال خرید لیے ہیں اور اس کے عوض انہیں جنتی زندگی دی ہے"

چنانچہ اسلامی مملکت میں جان و مال، مملکت کے سپرد ہوتے ہیں اور اس کے بدلے میں ایک جنتی معاشرہ جس میں رزق کی فراوانی اور امن و چین کی زندگی میسر ہو مملکت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس خرید و فروخت کے معاہدہ کے بعد جان و مال مملکت کے سپرد ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان پر افراد کی ذاتی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ جو نظام اتنی بڑی ذمہ داری اپنے اوپر لے، یہ ضروری ہے کہ ذرائع رزق اس کی تحویل اور نگہداشت میں رہیں۔ اس لیے قرآن نے ذرائع رزق کے متعلق واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ انہیں تمام انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے (۲:۲۹)

زائد از ضرورت ۔ نہ صرف یہ کہ ذرائع رزق اور وسائل پیداوار کو ذاتی ملکیت نہیں بنایا جا سکتا بلکہ یہ بھی کہ جو کچھ کسی کے پاس اس کی جائز ضروریات سے زیادہ ہو، اسے بھی انسانی فلاح و بہبود کے لیے کھلا رکھا جائے تاکہ معاشرہ حسب ضرورت اسے صرف میں لا سکے۔ (۲:۲۱۹)

اسلامی معاشرے کی حفاظت ۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ جنگ اور صلح تمہاری ذاتی مصلحتوں اور مفاد پرستیوں کے مطابق نہیں ہوگی۔ یہ بھی قانون خداوندی کے مطابق ہوگی۔ اس بات میں بنیادی اصول یہ ہے کہ تم ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرنے پر اتر آئیں اور اس طرح لڑائی کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہے (۳۹، ۲۲) یہ جنگ خدا کی راہ میں ہوگی یعنی تحفظ انسانیت کی خاطر اور اس میں بھی قانون کی حد سے نہ بڑھا جائے۔ کیا حضور نبی اکرمؐ نے مندرجہ ذیل قوانین و اقدار کو عملی شکل دے کر دنیا کے سامنے ایک ماڈل پیش نہیں کیا؟ کیا حضورؐ کے یہ تمام اعمال سُنّتِ رسول اللہ نہیں؟

جناب صدر مملکت! آپ سُنّتِ رسولؐ کی تلاش میں مذہبی پیشوائیت کے بازار میں چلے گئے جہاں پہ ہر مُلّا نے اپنے شوکیس میں سُنّت کا الگ الگ ماڈل سجا رکھا ہے۔ آخر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ آپ دس سال کی طویل مدت تک اسلام کا پہاڑ کھودتے رہے اور آخر میں مغربی جمہوریت کا مرا ہوا چوہا نکال کر

سامنے رکھ دیا۔

جنابِ صدرِ مملکت! آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو قرآن کے بنیادی تصورات سے کسی نے آگاہ نہیں کیا۔ ایک مردِ حق بین وحق آگاہ جسے پرویز کہتے ہیں، نصف صدی تک مسلسل باوازِ بلند پکارتا رہا کہ قرآن کی طرف آؤ یہی فلاح کا راستہ ہے۔ پرویز مرحوم نے قرآنی نکات کو کھول کھول کر بیان کیا اور جاتے وقت علم کا ایک بے بہا خزانہ چھوڑ کر چلے گئے جس سے وہ لوگ جنہوں نے ان کی زندگی میں استفادہ نہیں کیا اب بھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ پرویز مرحوم نے واضح طور پر قرآن کی بنیاد پر دین اسلام کا نقشہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ "الدّین" قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے، جس کے اندر اس کی ساری تعلیم کا نچوڑ آجاتا ہے۔ یہ وہ محور ہے جس کے گرد قرآن کے تمام احکام واصول واقدار وقوانین گردش کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کا صحیح مفہوم سمجھنے کے بعد اسلام سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور اگر اس کا قرآنی تصور نظروں سے اوجھل ہو جائے تو پھر اسلام کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک طرف دین کے معنی ہیں غلبہ، اقتدار، حکومت، مملکت، آئین، قانون، نظم ونسق، فیصلے، ٹھوس نتیجہ، جزا وسزا اور مکافاتِ عمل۔

دوسری طرف جب یہی لفظ انسانوں کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اطاعت، فرمان پذیری، محکومیت۔ اور جب اس کی نسبت خدا اور انسان دونوں کی طرف ہو گی تو اسکے معنی ہوں گے قوانینِ خداوندی (قرآنِ کریم) کی اطاعت جس کا نتیجہ خدا کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ مختلف معانی جو بیان کئے گئے ہیں ان کی تائید میں قرآنِ کریم کی متعدد آیات سامنے آتی ہیں لیکن انہوں نے ایک جامع آیت پیش کی فرمایا۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ - (۳ : ۸۲)

"کیا یہ لوگ دینِ خداوندی کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ کیا انہیں کسی اور دین کی تلاش ہے؟ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو چیز بھی ہے طوعاً وکرھاً اس کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ یہ ہے وہ دین جو پوری کائنات کو محیط ہے یعنی وہ نظامِ خداوندی جس کے مطابق یہ کارگہِ کائنات سرگرمِ عمل ہے"

اس سے دین کا مفہوم واضح ہو گیا یعنی وہ نظام جو قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم ہو۔ اس

کے بعد ہے کہ تم بھی اعلان کر دو کہ ہم خدا ہی کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور یہ وہ قوانین ہیں جو حضرات انبیائے کرامؑ کی وساطت سے نوعِ انسان کو ملتے چلے آئے ہیں اور اب قرآنِ کریم کے اندر محفوظ پڑے ہیں۔ یہ ہیں معنی وَ نَحْنُ مُسْلِمُوْنَ کے (۳:۸۴) اسی کا نام اسلام ہے۔ لہٰذا اس سے اگلی آیت میں کہا گیا۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ (۳:۸۵)

لہٰذا جو شخص اسلام کے سوا (جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے)، کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ بالآخر دیکھ لیں گے کہ وہ کس قدر خسارے میں رہے۔ چنانچہ واضح ہے کہ دین نام ہے اس نظام کا جسے قوانینِ خداوندی کے مطابق متشکل کیا جائے جس میں ہر فرد خدا اور صرف خدا کی محکومیت اختیار کرے۔ اور جس میں اس کے ہر عمل کا صحیح صحیح نتیجہ مرتب ہو جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسا نظام جس میں محکومیت صرف احکامِ خداوندی کی اختیار کی جائے اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی ایک آزاد مملکت ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کا وجود ناگزیر ہے۔ اس حقیقت کو قرآنِ کریم نے واضح اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے جب کہا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ...... (۲۴:۵۵)

"وہ لوگ جو قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور اس کے مطابق کام کریں جو ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما اور نمود و ظہور کا باعث ہو، ان سے خدا نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں اس دنیا میں حکومت اور مملکت عطا کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے اس قسم کی اقوام کو حکومت اور مملکت عطا کی تھی"۔ اسے استخلاف فی الارض کہا جاتا ہے اس استخلاف کی غرض و غایت کیا ہے؟ فرمایا:-

...... وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ...... (۲۴:۵۵)

"مقصد اس سے یہ ہے کہ دین یا وہ نظامِ زندگی جسے خدا نے اُن کے لئے منتخب کیا ہے، اس کا تمکن ہو جائے، وہ عملاً نافذ ہو اور اس طرح یہ لوگ خوف و حزن سے محفوظ ہو کر امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں"۔

یہ امن اور اطمینان بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ:

.... یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا ..... (۵۵: ۲۴) یعنی اس لئے کہ اس سے وہ صرف قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرسکیں اور اس کی حاکمیت میں کوئی شریک نہ ہو۔ خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت۔ یہ ہے دینِ اسلام اور اس کے بعد کہا گیا...... وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۔ (۵۵: ۲۴) "دین کا اس قدر واضح مفہوم سامنے آجانے کے بعد جو اس سے انکار کرے گا یا سرکشی برتے گا تو سمجھ لیجئے کہ وہ صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستے پر گامزن ہو گیا"۔ یہ ہے دینِ اسلام کا مفہوم، یعنی امورِ مملکت میں اللہ کی SOVEREIGNTY کو عملاً نافذ کرنا۔ جسے قرآن نے بیان کیا اور جس کی وضاحت میں پرویز مرحوم نے ساری عمر صرف کر دی۔

امورِ مملکت میں اللہ کی کتاب کی SOVEREIGNTY کے نفاذ سے فرار کا راستہ ہمارے حکمرانوں نے نکال چھوڑا ہے۔ اس کے لئے آئین میں اللہ کی SOVEREIGNTY کی تفویض کا نکتہ داخل کر کے انہوں نے اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ یہ نظریہ کہ انسان خدا کی نیابت کرتا ہے، غلط ہے۔ نیابت کے معنی ہوتے ہیں کسی کو اپنے اختیارات تفویض کر دینا۔ DELEGATION OF POWERS۔ خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا۔ دنیا میں کسی کو 'DIVINE RIGHTS' خدائی اختیارات حاصل نہیں، نہ کسی بادشاہ کو اور نہ کسی مذہبی پیشوا کو۔ حتیٰ کہ نبی کو بھی نہیں۔ خدا نے اپنے مطلق اختیارات سے قوانین مرتب کئے ہیں، خدا کے بندے ان قوانین کو پہلے اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں اور پھر باقی دنیا پر۔ انسان کا فریضہ قوانینِ خداوندی کی تنفیذ ہے۔ قانون سازی کے اختیارات اسے تفویض نہیں کئے گئے۔ خدا کا رسول بھی خدا کا دین (قانون) دنیا تک پہنچاتا اور اسے نافذ کرتا ہے۔ دین بناتا نہیں۔ اس لئے انسان ان معنوں میں خدا کا نائب نہیں۔

جنابِ صدرِ مملکت! فی زمانہ دینِ اسلام کو وہی شخص نافذ کر سکتا ہے جو غیر قرآنی نظریات کے تُند و تیز سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ہمت رکھتا ہو۔ جو قرآن کے بنیادی نظریات پر محکم یقین رکھتا ہو۔ جو اتنی جرأت کا مالک ہو کہ مذہبی پیشوائیت کے خود تراشیدہ تصورات اور اخبارات کے مغرب زدہ افکار سے مرعوب نہ ہو۔ یہ قابلِ افسوس بات ہے کہ آپ ہمہ مقتدر ہونے کے باوجود اور اسلام کے نفاذ کا احساس رکھنے کے باوجود، نہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکے اور نہ اسے نافذ کر سکے۔ اس سے اسلام کے کاز (CAUSE) کو بے حد نقصان پہنچا ہے اس لئے کہ اغیار کو پھر ایک مرتبہ یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ "اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے"۔

جنابِ صدرِ مملکت! وقت آگے نکل گیا ہے اور آپ پیچھے رہ گئے ہیں۔ تاہم آپ اب بھی

ایک اہم مقام پر بیٹھے ہیں۔ اب بھی توبہ کا راستہ کھلا ہے۔ میری اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ میری توبہ میری توبہ پکارنا شروع کر دیں، بلکہ قرآن نے جو توبہ کا راستہ دکھایا ہے اس پر عمل کریں۔ اسے میں ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا ہوں۔ ایک شخص لاہور سے شیخوپورہ جانا چاہتا ہے۔ شاہدرہ کے مقام پر وہ بجائے شیخوپورہ روڈ پر جانے کے سیدھا گوجرانوالہ کی طرف چل نکلتا ہے۔ مریدکے کے مقام پر پہنچ کر اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پر آگیا ہے۔ چنانچہ وہ مریدکے سے واپس لوٹ کر شاہدرہ تک آتا ہے۔ اور وہاں سے صحیح راستے پر چل کر شیخوپورہ روڈ پر چل دیتا ہے۔ مریدکے سے شاہدرہ تک واپس لوٹنا توبہ کا راستہ ہے اور شاہدرہ سے شیخوپورہ کی طرف جانا عملِ صالحہ کا راستہ ہے۔ آپ قرآن کی طرف لوٹیئے۔ یہ توبہ کا راستہ ہے پھر قرآن کے حکم کے مطابق امورِ مملکت میں اللہ کی کتاب کی SOVEREIGNTY عملاً نافذ کیجیئے، یہ عملِ صالح ہوگا۔ اور آپ رب العالمین کے سامنے سُرخرو ہو کر جائیں گے۔ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

میں اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اے خدایا! اُمتِ مسلمہ غلط راستے پر چل نکلی ہے اسے صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

عبدالودود

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۰ ١٦/٩٢

PLEASE NOTE THAT REMITTANCES SHOULD BE MADE OUT IN THE FOLLOWING MANNERS :-

I) For the MONTHLY TOLU-E-ISLAM in the name of ;
IDARA-E TOLU-E-ISLAM (RGD.)

II) For all other purposes ;
TOLU-E-ISLAM TRUST (REGD.)
TOLU-E-ISLAM, Habib Bank Ltd.
A/C No: 4107-35, Habib Bank Ltd.
Main Market Branch, Gulberg-2, Lahore.

ثریا عندلیب

اِرشادات نبوی ؐ کے گہرہائے تابدار!

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں فرمایا۔ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ جس سے اگر تم وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیز کتاب اللہ قرآن حکیم ہے۔
(مسلم۔ نسائی۔ ابو داؤد)
- رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تم سے بہت سی احادیث بیان کی جائیں گی سو جب میری طرف سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو جو اس کے موافق ہو اسے قبول کر لو جو اس کے خلاف ہو رد کر دو۔ (کتاب التوضیح والتلویح صفحہ ۴۸۵)
- رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ ہی کے ہیں۔ اسی لئے زمین اللہ کے بندوں کیلئے رہنی چاہیئے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہونی چاہیئے۔ (کتاب الاموال)
- حضرت ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ اشعر کے قبیلہ والوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگ میں ان کے پاس کھانا تھوڑا رہ جاتا یا مدینہ میں ان کے بال بچوں پر فاقہ کی نوبت آجاتی تو یہ سب لوگ اپنے اپنے کھانے کی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے اور ایک برتن میں برابر حصے لگا کر آپس میں تقسیم کر لیتے۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ "یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" (بخاری مسلم)
- حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا آپ ؐ نے فرمایا۔ جس کے پاس سواری ضرورت سے زیادہ ہو۔ وہ اسے دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو۔ جس کے پاس زادِ راہ ضرورت سے زیادہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو۔ اسی طرح آپ ؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو ضرورت سے زیادہ کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔ (مسلم بحوالہ ریاض الصالحین امام نوری ؒ)
- رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی ایسا حبشی غلام بھی جس کا سر کشمکش کی طرح چھوٹا ہو امیر بنا دیا جائے تو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت کرے اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔
(بخاری)

- رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھ سے (قرآن کے علاوہ کوئی بات نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہو وہ اسے مٹا دے۔ (مسلم)
- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔ اس بستی سے اللہ کی حفاظت کا ذمّہ اٹھ گیا۔ (مسند امام احمد) اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رزق پہنچانے کی ذمّہ داری معاشرہ پر عائد ہوتی ہے اور جو معاشرہ اس فریضہ کو سرانجام نہیں دیتا وہ خدا کی حفاظت میں نہیں رہتا۔
- حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو مخابرہ کو نہیں چھوڑتا اس کیخلاف خدا اور رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ سمجھو۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ مخابرہ سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا زمین کو نصف یا تہائی یا چوتھائی (وغیرہ) بٹائی پر لینا یا دینا۔ (ابوداؤد ــــ کتاب البیوع)
- نبیٔ اکرمؐ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے ان میں سے کچھ اُوپر کے حصے میں پہنچ گئے اور کچھ نچلے حصے میں تھے وہ پانی لینے کے لئے اُوپر گئے تو اُوپر والوں نے یہ کہہ کر انہیں پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے کہا کہ بہت اچھا ہم نیچے سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیں گے اب اگر نیچے والوں کو (پانی دے کر) اس سے روکا نہ جائے تو ظاہر ہے کہ نیچے اور اوپر والے سب غرق ہو جائیں گے۔ اگر انہیں (پانی دے کر) اس سے روک دیا جائے تو سب بچ جائیں گے۔ (ترمذی)
- حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اُمّ المومنین! ایک شخص رات کو زیادہ سوتا ہے اور کم عبادت کرتا ہے۔ اور دوسرا زیادہ عبادت کرتا ہے اور کم سوتا ہے آپ کے نزدیک دونوں میں سے کونسا زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ ایسا ہی سوال رسول اللہؐ سے کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ ان میں سے جو زیادہ عقلمند ہے وہ ــــ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تو ان کی عبادت کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا ـ اے عائشہؓ! انکی عقلوں کے متعلق سوال ہوگا پھر جو شخص زیادہ عقلمند ہوگا وہی دنیا اور آخرت میں افضل ہوگا۔ (کتاب الاذکیا۔ ابن جوزی)
- رسول اللہؐ نے ایک دن صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں جو نماز روزہ سے بھی افضل ہے۔ صحابہؓ نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ چیز ہے باہمی تعلقات کا درست رکھنا (ابوداؤد)

- حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض نے ہم میں سے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا۔ ہم ایک روز ایک منزل میں اترے جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا وہ اپنے کاموں میں مصروف رہے چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا۔ رسول اللہؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ آج وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہیں رکھا تھا سارا ثواب لے گئے۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کو بقدر ان لوگوں کے جو اس پر ایمان لائے معجزے دیئے گئے لیکن میرا معجزہ وہ وحی (قرآن) ہے جو خدا نے مجھ پر بھیجی ہے (چونکہ یہ معجزہ دائمی اور تمام نوع انسان کے لئے ہے)، اس لئے مجھے اُمید ہے کہ سب انبیاء سے زیادہ قیامت کے روز میری امت ہو گی۔ (بخاری باب فضائل القرآن)
- حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ خبردار فتنہ واقع ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اس سے کیونکر نجات ہو گی؟ آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ (پر عمل کرنے) سے جس میں تمہارے درمیان (حرام و حلال یا طاعت و گناہ وغیرہ کا) حکم ہے اور حق و باطل کے اندر قولِ فیصل ہے جس متکبر نے قرآن کو چھوڑا ہلاک کریگا اس کو اللہ ——— اور جس نے قرآن کے سوا کسی دوسری چیز میں ہدایت طلب کی گمراہ کرے گا اس کو اللہ ——— جس نے قرآن کی طرف لوگوں کو بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی۔

(بحوالہ مشکوٰۃ)

- روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (9/31)، یہود اور نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنا لیا تھا تو عدیؓ بن حاتم نے کہا کہ وہ لوگ ان کی پرستش تو نہیں کرتے۔ پھر انہوں نے انہیں خدا کیسے بنا لیا تھا؟ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ حلال قرار دیتے تھے یہ لوگ اسے حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے وہ حرام قرار دے دیتے تھے اسے حرام۔ یہی علماء اور مشائخ کو خدا بنا لینا ہے۔

(ترمذی بحوالہ ابن کثیر)

- حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنا دے اور وہ لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات سے لاپرواہی برتے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کی طرف سے لاپرواہی برتے گا۔ (ابو داؤد)
- حضرت عوفؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمہارے سب سے بہتر حاکم وہ

ہیں کہ تم ان سے محبت کرو۔ اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کے لئے دعا کرو اور وہ تمہارے لئے دعا کریں اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں کہ ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

(مسلم بحوالہ ریاض الصالحین)

- ایک دفعہ کسی نے آپؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ دیا "یا سیّدنا (اے ہمارے آقا) اس پر آپؐ نے ڈانٹ کر کہا کہ دیکھو تمہیں شیطان بہکا رہا ہے آقا صرف خدا کی ذات ہے میں تو عبداللہ کا بیٹا محمدؐ خدا کا عبد اور اس کا رسول ہوں آقائیت (سروری) صرف خدا کی ذات کیلئے ہے۔ (بحوالہ معراج انسانیت)
- ایک دفعہ ایک صحابی نے دیکھا کہ آپؐ اپنا جوتا مرمت کر رہے ہیں انہوں نے آگے بڑھ کر کہا کہ لایئے جوتا میں گانٹھ دوں آپؐ نے فرمایا یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے مرغوب نہیں (بحوالہ معراج انسانیت)
- ایک مرتبہ آپؐ وضو کر رہے تھے جو پانی گرا بعض لوگوں نے اسے تبرکاً بدن پر مل لیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیوں کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسولؐ کی محبت میں۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے۔ امین بنایا جائے تو امانت ادا کرے اور کسی کا پڑوسی ہو تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نبھائے۔

(بحوالہ معراجِ انسانیت)

- ایک مرتبہ ایک صاحب خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو اثنائے گفتگو کہا کہ "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں" آپؐ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا؟ تم نے مجھے خدا کا شریک و ہمسر ٹھہرا دیا یہ کہو کہ جو خدا چاہے۔

(معراجِ انسانیت)

- اپنے آخری حج کے خطبہ میں حضورِ انورؐ نے اعلان فرمادیا "اے نوعِ انسان! جان لو کہ تمہارا رب بھی ایک ہے اور تم اپنی اصل کے اعتبار سے بھی ایک ہی ہو (لہٰذا نسلی امتیاز کوئی شے نہیں) کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں۔ بزرگی اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے (جسے ہر انسان حاصل کر سکتا ہے) (معراجِ انسانیت)
- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اس کے ضرر کو اس سے رفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی اور نگرانی کرتا ہے۔ (ابو داؤد جامع ترمذی)
- حضور نبی اکرمؐ کا فرمان ہے۔ سربراہِ مملکت کی حیثیت ایک خزانچی کی ہوتی ہے کہ وہ اس میں سے خدا کے احکام کے مطابق جہاں تقسیم کرنا ہے وہاں تقسیم کریں اور اپنے لئے صرف اپنا روزینہ لے۔

عرفان احمد
کوئٹہ

اقبالؒ اور قرآن

(یہ مضمون ایک نوآموز قلم کی کاوش ہے اور چونکہ اس کی نگاہ جانبِ مقصودِ قرآن ہے، ہم اسے بیادِ اقبالؒ حوصلہ افزائی کی غرض سے شائع کر رہے ہیں۔ (طلوع اسلام)

۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ اقبالؒ کو پہلی گول میز کانفرس میں شرکت کا دعوت نامہ ملتا ہے۔ ایک اخباری نمائندے نے سوال کیا "آپ کانفرس میں کیا پیش کریں گے؟" —— اقبال نے کہا کہ "میرے پاس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میں اسی کو پیش کردوں گا۔"

ایک اور موقع پر قرآنی تحریک کے بانی ابو محمد مصلح کو لکھا کہ "اس زمانے میں قرآن کا علم ہندوستان (یعنی برِصغیر پاک و ہند) سے مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی جائے۔ کیا عجب کہ آپ کی تحریک بارآور ہو اور مسلمانوں میں قوتِ عمل پھر سے عود کر آئے۔"

ایک دفعہ ایک صاحب کے فلسفیانہ سوالوں کے جواب قرآن کی مدد سے دیئے۔ حالانکہ اقبالؒ کی نظرِ عمیق نہ صرف مسلم فلاسفر حضرات (مثلاً ابنِ خلدون، غزالی، رومی وغیرہ) پر تھی، بلکہ وہ یورپی فلسفیوں مثلاً نطشے برگسان، شوپن اور کارل مارکس وغیرہ کا مطالعہ کر چکے تھے۔

اسی طرح اپنے ایک کتابچے "ختمِ نبوّت اور قادیانیت" میں اقبالؒ نے لکھا کہ "اس سیدھے سادے مذہب کی ہیئتِ ترکیبی، رفتارِ زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تعلق کو قرآنی آیات کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔"

اقبالؒ کی شاعری اُن کے خیالات و افکار کا بے مثال اور بے بہا نمونہ ہے۔ اپنے کلام میں بھی جا بجا بتایا ہے کہ قرآن کیا ہے ؎

چیست قرآن؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے سازو برگ

یعنی قرآن، نظامِ سرمایہ داری کے پسند کرنے والوں کے لئے موت ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

توہمی دانی کہ آئینِ تو چیست زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

اقبالؒ نے اپنے عصر آفریں کلام میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآنِ کریم ہی دراصل وہ لائحۂ عمل ہے جو عموماً اہلِ دنیا اور خصوصاً اُمتِ مسلمہ کے لئے آئینِ زندگی ہے ــــــ دراصل بات یہ ہے کہ اسلام مذہب نہیں ہے، یہ تو نظامِ زندگی، نظریۂ حیات یا دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے لوگوں کے لئے اُتارا ہے۔ اس نسبت سے قرآنِ کریم ضابطۂ حیات ہے۔

ایک عام اعتراض جو کہ عام طور پر اسلامی نظامِ معیشت پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ؎

ذورقِ ما خاکیاں بے نا خدا است کس نداند عالمِ قرآں کجا است

اقبالؒ نے اپنی شاعری میں (خصوصاً "شکوہ" میں) ان مطالب کو بیان کیا ہے کہ لوگوں کو اسلام سے یہی شکایت ہے کہ اس کا نظامِ معیشت ناقابلِ عمل ہے تو اس کے جواب میں وہ خود ہی ("جوابِ شکوہ" میں) کہتے ہیں کہ ؎

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے، مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اس طرح کہتے ہیں کہ جو لوگ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں اُن کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ان کو سمجھانے والے اپنے مفاد کے لئے غلط سمجھاتے ہیں۔

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مُفسر تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

اور ایک اور جگہ یوں کہا ہے کہ ؏

اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

اقبالؒ کہتے ہیں کہ وہ مدرسے، درس گاہیں اور استاد ناپید ہو گئے ہیں جو قرآن اور اسلام کی سچی تعلیم پیش کر سکیں اور وہ سکونِ قلب، آسودگی اور اطمینان مہیا کر سکیں جو کہ اسلام کی سچی تعلیم سے مہیا کرتی ہے، جیسا کہ کہا کہ ؎

آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست
با قرأتِ مسجدہا، با دانشِ مکتب ہا!

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بُت پرست نے تو اپنے بت طاق پر سجائے ہیں، تو نے، اے مسلمان، قرآن کو طاق پر سجایا ہے ؎

برہمن از بتاں طاقِ خود آرا است تو قرآں را سرِ طاق نہادی

اقبالؒ، افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جس کا نتیجہ اُن کے الفاظ میں یوں ہے :- ؎

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم — جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ؎

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است — رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

اقبال کا دعویٰ ہے کہ ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اس دعویٰ کو پورا کرنے کے لئے اقبال نے جو مشورہ دیا ہے وہ نہ صرف اس مضمون بلکہ اقبالؒ کی شاعری کا بھی نقطۂ آغاز و اختتام اور منتہا و مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ ع

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں

نقد و نظر

نام : ابلہ مسجد

مصنفین : محترمین صابر صدیقی اور عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

پبلشرز : بزمِ طلوعِ اسلام پشاور

صفحات : ۱۹۲ صفحات

قیمت : ۔/۳۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ :- (۱) بزم طلوع اسلام پشاور۔ شیریں محل، بی ۳ یونیورسٹی ٹاؤن۔ پشاور
(۲) طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

یہ کتاب، مردان کے مولوی مدراراللہ کی کتاب "پرویزؒ اور قرآن" جس میں مولوی صاحب مذکور نے پرویزؒ صاحب کو ذاتی مولویانہ تنقید کا ہدف ٹھہرایا، کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ انشاءاللہ، طلوع اسلام کے مئی ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں پیش کیا جائے گا۔

تصوّف

(غارت گرِ دین و دنیا)

اسلام "استخلاف فی الارض" کا نام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۲۴/۵۵)

"اللہ نے ان لوگوں سے جو اُس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں اور اس کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں، وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں اس زمین میں حکومت عطا کرے گا (۲۲/۳۲) اُس کا ابدی قانون ہے جس کے مطابق اُس نے اقوامِ سابقہ کو بھی اسی قسم کی حکومت (تمکن فی الارض) عطا کی تھی (۲۸/۶)۔ اسی قانون کے مطابق وہ ان کے ایمان اور اعمال کے نتیجے میں حکومت عطا کر دیں گے اور ان کے اس نظام کو مستحکم کر دیں گے جسے اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ تاکہ وہ نہایت اطمینان سے صرف اسی کے قوانین کی اطاعت کریں اور ان پر کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہ ہو کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور کی بھی اطاعت کریں، اور اس طرح 'شرک' کے مرتکب ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں مجبور نہ کر سکے کہ وہ قوانینِ خداوندی کے ساتھ انسان کے خودساختہ قوانین کی اطاعت کریں)۔

(لیکن اسے اچھی طرح سن رکھو کہ یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک یہ قوم ہمارے قوانین پر عمل پیرا رہے گی) جو لوگ، ایسا نظام قائم ہو جانے کے بعد، اس سے عملاً انکار کر دیں گے (اور، احکامِ خداوندی کی بجائے، اپنے احکام نافذ کرنے لگ جائیں گے۔) تو یہ لوگ، اس شاہراہِ حیات کو چھوڑ کر جو انہیں صحیح منزل کی طرف لئے جا رہی تھی، اور راہوں کی طرف نکل جائیں گے۔ (اور اس لئے جنتی معاشرہ کی برکتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ برکات، ایمان و عمل کا نتیجہ تھیں۔ جب ایمان و عمل نہ رہا تو وہ برکات کیسے باقی رہیں گی؟)"

(مفہوم القرآن)

اور ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ جب قوم سے قوتِ عمل جاتی رہی اور نگاہوں سے دین کا یہ مفہوم اوجھل ہوگیا تو مفاد پرست گروہ آگے بڑھے۔ انہوں نے محسوسات کے خوگر انسان کے استحصال کے لئے طرح طرح کے بت تراشے اور یہ کہہ کر، اُسے انکے سامنے جھکنے کی ترغیب دلائی کہ یہ سب، درحقیقت، اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کے مختلف طریقے ہیں۔ ان خود تراشیدہ بتوں میں سے، **تصوّف**، سب سے بڑھ کر غارت گرِ دین و دنیا بن کر سامنے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس سراپا عمل قوم کو راکھ کا ڈھیر بنا گیا:-

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے! (اقبالؒ)

آجکل مملکتِ پاکستان کا ہر گوشہ، اسی کی آبیاری کو فلاح و نجات کا سبب سمجھ کر، اس "نیک کام" میں ہمہ تن مصروف ہے اور ان بتوں کی خالق، ابلیسی قوتیں اپنی بے مثال کامیابی پر شاداں و فرحاں!

اس راکھ کے ڈھیر (ملّت اسلامیہ) کو پھر سے، عمل کے شعلۂ جوالہ میں بدلنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونیوالی نعمتوں سے ثمر یاب کرانے کے لئے اشد ضروری ہے۔ کہ نوجوانانِ قوم (جو اس ملّت کا حقیقی سرمایہ ہیں) کے سامنے پھر وہی منزّہ اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک، تصوّرِ حیات تسلسل اور استمرار سے لایا جائے جس نے ملّتِ اسلامیہ کو ایک مرتبہ اپنی ہمعصر اقوام میں بلند ترین مقام عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ ہماری بازیابی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں کیونکہ:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔۔۔۔ (۳/۱۸)

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک، قابلِ قبول نظامِ زندگی صرف الاسلام ہے"

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی (اقبالؒ)

متذکرہ بالا مقصد کے لئے، محترم پرویزؒ صاحب کی معرکہ آرا تصنیف "تصوّف کی حقیقت" کا وہ باب قارئین کے پیشِ خدمت ہے جس کا عنوان ہے "مقامِ نبوّت اور منصبِ اُمّت"۔ کیونکہ ہماری رائے میں منصبِ اُمّت سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک "مقامِ نبوّت" اپنی اُجلی اور نکھری صورت میں افرادِ اُمّت کے سامنے نہ ہو۔

محترم پرویزؒ صاحب کی متذکرہ کتاب (جو افشائے رازِ درونِ خانہ بھی ہے) "تصوّف کی حقیقت" پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے مطالعہ سے اَن گنت قلبِ سلیم (RECEPTIVE MIND) رکھنے والے اصحاب، اس دلفریب اور پُرکشش دلدل سے نکل چکے ہیں جو انسان کو صرف، زندگی کے تقاضوں سے فرار کی راہ دکھاتی ہے اور بس۔ واللہ المستعان! (محمد عمر دراز)

اب آپ مذکورہ کتاب کا وہ باب ملاحظہ فرمایئے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقامِ نبوّت اور منصبِ اُمّت

(دین کا مفہوم)

ہم نے سابقہ باب میں تصوف کی مختلف جزئیات کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد بتایا ہے کہ وہ کس طرح قرآن کے خلاف ہیں۔ آخری مرحلہ پر ہم چاہتے ہیں کہ من حیث الکل اس حقیقت کو سامنے لایا جائے کہ نبوّت کا مقام کیا ہے۔ اُمّت کا فریضہ اور منصب کیا اور دین کا مقصود و منتہیٰ کیا۔ اس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجائے گی کہ تصوّف اس پورے کے پورے نظام کی نقیض ہے۔

ہمارے ہاں نبی کے متعلق عام طور پر تصوّر یہ ہے کہ وہ ایک واعظ اور مبلّغ ہوتا تھا جو لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین و نصیحت کرتا اور بُرے کاموں سے منع کرتا تھا۔ اس وعظ و نصیحت کے بعد اس کا فریضہ ختم ہوجاتا تھا۔ یہ تصوّر، نبوت اور رسالت کے قرآنی تصوّر کے یکسر خلاف ہے۔ قرآنِ مجید کی رُو سے حضرات انبیاء کرامؑ عظیم انقلابی شخصیتیں ہوتی تھیں جن کا فریضۂ حیات یہ ہوتا تھا کہ انسانوں کے خود ساختہ نظام ہائے حیات کو مٹا کر (جو انسانیت کا گلا گھونٹنے کے لئے وضع اور قائم کئے جاتے ہیں) اس نظام کو نافذ کریں جو اقدارِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو۔ علامہ اقبالؒ نے نبی کے اس منصب کو نہایت حقیقت کشا اور بصیرت افروز الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ (اپنے خطبات تشکیلِ جدید کے) پانچویں خطبہ کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:-

"محمد عربی فلک الافلاک کی بلندیوں پر پہنچ کر واپس تشریف لے آئے۔ خدا شاہد ہے کہ اگر میں اس مقام پر پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا" یہ الفاظ ایک بہت بڑے مسلمان صوفی بزرگ (حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ) کے ہیں۔ تصوّف کے لٹریچر میں ان جیسے الفاظ کا ملنا غالباً مشکل ہے جو ایک فقرہ کے اندر شعورِ نبوّت اور تصوّف کے اس قدر لطیف نفسیاتی فرق کو اس طرح واضح کردیں۔ ایک صوفی اپنے انفرادی تجربہ کی تجرّدگاہ سے واپس آنا نہیں چاہتا اور جب واپس آتا بھی ہے (اس لئے کہ اُسے واپس آنا پڑتا ہے) تو اس کی یہ مراجعت نوعِ انسانی کے لئے کچھ معنی نہیں

رکھتی۔ اس کے برعکس ایک نبی کی مراجعت تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ آتا ہے کہ زمانہ کے طوفان پر تسلط پاکر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں لے آئے اور اس طرح مقاصد و مطامح کی ایک نئی دنیا تعمیر کر دے۔ ایک صوفی کے لئے اسکے انفرادی تجربہ[1] کی تجردگاہ، آخری مقام ہوتی ہے۔ لیکن ایک رسول کے دل میں اس سے زلزلہ انگیز نفسی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیائے انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیں۔ یہ آرزو کہ جو کچھ اس کی آنکھ نے دیکھا ہے وہ ایک جیتی جاگتی دنیا کے پیکر میں متشکل ہو جائے، نبی کے دل میں پیش پیش ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک صاحبِ وحی کے "تجربہ" کی قدر و قیمت جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے کہ اس نے انسانیت کو جس قالب میں ڈھالا ہے وہ کیسا ہے اور اس کے پیغام کی روح سے جس قسم کی دنیائے ثقافت ابھر کر سامنے آگئی ہے وہ کس انداز کی ہے۔　　(خطبات۔ صـ۱۱۸ـ)

میں نے اس اجمال کی تفصیل اپنی کتاب 'معراجِ انسانیت' (اڈیشن اوّل) میں ان الفاظ میں بیان کی تھی۔

معراجِ انسانیت نبوّت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصوّر سے روح میں بالیدگی، نگاہوں میں بصیرت، ذہن میں جِلا، قلب میں روشنی، خون میں حرارت، بازوؤں میں قوّت، ماحول میں درخشندگی، فضا میں تابندگی اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبی کا پیغامِ انقلاب آفریں دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروقِ مفلوج میں پھر سے خونِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی اُمّت کو زمین کی پستیوں سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش رُبا تعلیم اور محیّر العقول عمل سے باطل کے نظامہائے کہنہ کی بنیادیں اُکھیڑ کر آئینِ کائنات کو ضابطۂ خداوندی پر متشکل کر دیتا ہے۔ اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ آرزوئیں آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں ایمان کی حرارتیں، دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ رُوح کی مسرّتوں کے چشمے اُبلتے ہیں۔ قلب و جگر کی نورانیت کی سوتیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ اُمیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں۔ اور اس خوش بخت قوم کا صحنِ چمن، دامانِ صد باغبان و کفِ ہزار گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومتِ خداوندی کا قیام اس کا نصب العین اور قوانینِ الٰہیہ کا نفاذ اس کا منتہیٰ ہوتا ہے۔ جب اسکے ہاتھوں

---

[1] صوفیاء کے انفرادی تجربہ کے متعلق گزشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہوتی ہے اور نوعیت کیا۔

خدا کی بادشاہت کا تختِ اجلال بچھتا ہے تو باطل کی ہر طاغوتی قوت پہاڑوں کے غاروں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصرِ فلک بوس کے کنگورے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، طغیان و سرکشی کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ جلتے ہیں۔ وہ اپنے رفقاء کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح وظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قوتیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں، اور خدا اور اس کے فرشتے ان انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔

وہ اپنے اس عظیم پروگرام کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اپنے پیغام کی عام اشاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ (۵/۶۷)۔

رسولؐ کا پروگرام

"اے رسولؐ! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے، اسے دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں قاصر رہ جاؤ گے۔" اس پیغام خداوندی پر غور و فکر کے بعد جو لوگ اس کی صداقت کے قائل ہو جاتے وہ اس مرکزِ ہدایت (رسول) کے گرد جمع ہو جاتے اور اس طرح ایک نئی جماعت (اُمّتِ مسلمہ) وجود میں آجاتی۔ رسولؐ ان افراد کی تعلیم و تربیت سے ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما کرتا، یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (۶۲/۲)۔ "وہ اُنہیں احکامِ خداوندی کی تعلیم دیتا اور ان کی غرض و غایت ان کے ذہن نشین کراتا اور اس طرح ان کے قلب و دماغ کی صلاحیتوں کی نشو و نما کرتا"۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ تزکیۂ نفس (ذات کی صلاحیتوں کی نشو و نما) کا ذریعہ، تعلیمِ کتاب و حکمت بتایا گیا ہے، نہ کہ خانقاہوں کے خلوت کدوں میں مراقبے اور چلّے۔ پھر اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھیئے کہ احکامِ خداوندی زبردستی منوائے نہیں جاتے تھے۔ ان کی غرض و غایت اور مقصود و منتہیٰ، عقل و فکر کی رُو سے (RATIONALLY) سمجھائے جاتے تھے، اور اس طرح وہ اپنے دل و دماغ کی کامل رضامندی سے، ان احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ ولیم جیمس نے اس طریق کی اہمیت کو (PRINCIPAL CAIRD) کے ان بلیغ اور دلنشیں الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے

> اس میں شبہ نہیں کہ مذہب کا تعلق انسان کے قلب سے ہے لیکن اسے انسان کی داخلی ہوا و ہوس کی سطح سے بلند کرنے، اور حق و باطل میں تفریق کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اسے کسی خارجی معیار کی کسوٹی پر پرکھیں جسے دل میں داخل ہونا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے عقل و فکر سے اپنے سچے ہونے کا سارٹیفکیٹ حاصل کرے۔ اس طرح مذہب کو حق حاصل ہوگا کہ وہ انسان کے جذبات کو اپنے تابع رکھے اور انہیں (جذبات و احساسات کو)

رکھنے کا ذریعہ بنے (VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENCE-P.425)

کتاب وحکمت کی تعلیم کی رُو سے تزکیۂ نفس سے مُراد ہی یہ ہے۔ آپ غور کیجئے کہ ایسے دقیق فلسفہ کو جسے پرنسپل کیرڈ نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے، قرآنِ کریم نے کس طرح تین لفظوں میں سمو کر رکھ دیا ہے "صداقت کا دماغ کے راستے دل میں اتارنا"، یہ ہے طریقِ نبوی! اس طریق سے جن افرادِ اُمّت کی قلبِ ماہیت ہو جاتی ہے انہیں قرآن مومنین پکارتا ہے۔ مردِ مومن کس قسم کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، اس کے متعلق میں نے اپنی اسی کتاب "معراجِ انسانیت" میں لکھا تھا۔

مردِ مومن کی خصوصیات

مقامِ نبوت تو ایک طرف، شمعِ نبوی سے اکتسابِ ضیاء کرنے والے مردِ مومن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیرِ جگر دار کے سامنے لرزہ براندام ہوتی ہیں۔ اس کی قوتِ بازو حکومتِ خداوندی کے تمکن و بقا کی ضامن ہوتی ہے، وہ قوانینِ خداوندی کا عملاً نفاذ کرتا ہے۔ یہ وہ "مجدّد" ہوتا ہے جس کی قوتِ ایمانی اور بصیرتِ قرآنی سے محمد رسول اللہ والذین معہٗ کے عہدِ سعادت مہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ "مسیحا" ہوتا ہے جس کے اعجازِ نفس سے مردہ قوم میں ازسرِ نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ وہ "مہدی" ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر ساری دنیا کے لئے ہدایت و رشادت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھنچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ...... (۵/۵۴)

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے۔ وہ مومنوں کے سامنے جھکے ہوئے اور مخالفین کے مقابل میں غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔" (پہلا ایڈیشن۔ صفحہ ۸۲۵)

قرآنِ کریم میں اس جماعت کا ذکر ان بصیرت آفریں الفاظ میں آیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۠ (۴۸/۲۹)

محمد رسول اللہ اور ان کے رفقاء کی جماعت بھی کیا عجیب و غریب جماعت ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حق کے مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہیں، لیکن باہمدگر بڑے ہی نرم دل اور ہمدرد (۵/۵۴) تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے جھک جاتے ہیں اور قوانین خداوندی کے سامنے پیکرِ تسلیم و رضا بن جاتے ہیں۔ (لیکن یہ تارک الدنیا راہبوں کی جماعت نہیں) یہ قانونِ خداوندی کے مطابق، سامانِ زیست کی تلاش میں مصروفِ تگ و تاز رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ہر عمل قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ اور ان کی سیرت صفاتِ خداوندی سے یک رنگ ہو جائے۔ اس سے انہیں جو سکونِ قلب اور حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے، اس کے اثرات ان کے چہروں سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ علامات، سابقہ کتب آسمانی — تورات و انجیل — میں بھی مذکور تھیں۔

انہوں نے اس نظامِ خداوندی کو جس طرح قائم کیا اور پروان چڑھایا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب عمدہ بیج سے شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے۔ پھر جوں جوں اس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے، اس کی نال موٹی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سہارے آپ محکم اور استوار طریق پر قائم ہو جاتی ہے۔ (اس میں خوشے لگتے ہیں اور خوشوں میں دانے پڑ کر سخت اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ننھا سا بیج پکی ہوئی فصل میں تبدیل ہو جاتا ہے) جب کاشتکار اپنی محنت کو اس طرح ثمر بار ہوتے دیکھتا ہے تو وجد و مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔ لیکن یہی چیز اس کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے لگ جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ ہر اس جماعت کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر، اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے؛ اس امر کا وعدہ دیتا ہے (یعنی یہ اس کا قانون ہے) کہ ان کی کوششوں کا ننھا سا بیج، تمام خطرات سے محفوظ رہے گا اور ان کی کھیتی پک کر بہترین ثمرات کی حامل ہو جائے گی۔ (۴۸/۲۹)۔ لیکن اس کے لئے اس قسم کی محنت اور استقامت کی ضرورت ہو گی جس قسم کی محنت اور استقامت کا ثبوت کسان دیتا ہے۔ — تخم صالح، قوانینِ فطرت کے مطابقت، مسلسل محنت اور استقلال و استقامت کھیتی کی برومندی کے

لئے یہ تمام شرائط لاینفک ہیں۔

جماعتی زندگی

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی جماعتی زندگی کا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی تبئین ہے یعنی (آپ نے فرمایا)

لا اسلام الا بجماعة۔ ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة۔

(جامع ابن عبدالعزیز) "جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں۔ اور جماعت کی ہستی امیر کے ساتھ ہے اور امارت کا مدار اطاعت پر ہے۔" تمسک بالجماعت کی اہمیت کے سلسلہ میں حضورؐ نبی اکرمؐ کے ارشاداتِ گرامی کتبِ روایات میں درخشندہ موتیوں کی طرح بکھرے ملتے ہیں۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا:

انا امركم بخمس الله امرني بهن - الجماعة ، والسمع ، والطاعة ، والهجرة ، والجهاد في سبيل الله ، فانه من خرج من الجماعة حين شبر فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه الا ان يراجع - ومن دعا بدعوى جاهلية فهو من حثى جهنم قالوا يا رسول الله وان صام وصلى . قال وان صلى وصام وزعم انه مسلم۔

(روایت احمد والحاکم)

(حضورؐ نے فرمایا کہ) میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے جماعت، سمع، اطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ یقین کرو جو مسلمان ایک بالشت بھر جماعت سے الگ ہو گیا، تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے جاہلیت کی زندگی (یعنی انتشار و لامرکزیت کی زندگی) کی طرف دعوت دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگرچہ ایسا شخص روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو، فرمایا۔ ہاں! اگرچہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو، اور روزہ بھی رکھتا ہو۔ اور بزعمِ خویش اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہو۔

غور فرمائیے کہ التزامِ جماعت کی کس قدر تاکید کی گئی ہے اس لئے کہ اسلام کی بنیاد ہی اس اصل پر قائم ہے۔ یہ نہ رہے تو دین باقی نہیں رہتا۔ مسلم کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات ميتة الجاهلية ۔

جو شخص اطاعت سے الگ ہو گیا اور جماعت کو چھوڑ بیٹھا تو وہ (اسلام کی نہیں) جاہلیت (زمانہ قبل از اسلام) کی موت مر گیا۔

اس لئے کہ اطاعت سے نکل جانا، نظامِ اسلامی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا ہے، جسے قرآن نے "اللہ اور رسول"

کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے اور اس کی سزا (اس دنیا میں مصیبت ہے اور عاقبت میں جہنم۔ بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ۔

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہو جائے گا۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

یعنی صرف یہی نہیں کہ جماعت سے یکسر الگ ہو جائے بلکہ یہ بھی کہ اگر جماعت کے فیصلوں سے بالشت بھر بھی الگ ہو جائے، تو بھی اس کی موت مسلمان کی موت نہیں کہ

ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذّ شذّ فی النار۔ (ابن ماجہ)

اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو جماعت سے الگ ہُوا، وہ جہنّم میں گرا۔

ان روایات میں الجماعۃ سے مُراد قرآنی نظام ہے جو جماعتِ مومنین کے ہاتھوں قائم ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس نظام کے قیام کے لئے اپنی آزاد مملکت کا وجود ناگزیر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ جماعتِ مؤمنین کے ایمان اور اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ قرآنی مملکت کا قیام ہے جسے استخلاف فی الارض کہہ کر پکارا گیا ہے فرمایا:۔

استخلاف فی الارض

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (۲۴/۵۵)۔

جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں گے اور ہمارے تجویز کردہ پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انہیں دنیا میں حکومت عطا کر دینگے۔ جس طرح ہم نے اس نہج کی زندگی بسر کرنے والی قوموں کو ان سے پہلے حکومت عطا کی تھی۔ اس حکومت سے مقصد یہ ہوگا کہ وہ نظامِ زندگی (الدین) جسے ہم نے ان کے لئے پسند اور تجویز کیا ہے متمکّن ہو جائے۔ ان کا خوف امن سے بدل جائے اور اس طرح وہ اس قابل ہو جائیں کہ صرف ہمارے احکام و قوانین کی اطاعت کریں اور دنیا کی کوئی قوت انہیں اس پر مجبور نہ کر سکے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی محکومیت اختیار کریں۔

یہ سلسلہ اس وقت تک قائم اور دائم رہے گا جب تک یہ لوگ اس پروگرام پر عمل پیرا رہیں گے۔ جب یہ اس بیج زندگی کو چھوڑ دیں گے تو یہ تمکن ان سے چھن جائے گا کیونکہ یہ تو نتیجہ تھا ایمان و اعمالِ صالحہ کا اور جب یہ بیج ہی باقی نہیں رہے گا تو اس کے ثمرات کس طرح حاصل ہو سکیں گے؟

یہ آیۂ جلیلہ بڑی جامع ہے اور "الدین" کا پورا تصور سامنے لے آتی ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ

(۱) ایمان اور اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض۔ یعنی حکومت اور اقتدار کی زندگی ہے۔

(۲) یہ حکومت یا مملکت مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ ایک بلند و بالا مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔

(۳) وہ مقصد ہے دین کا تمکن یعنی نظامِ خداوندی کی عملی تشکیل اور تنفیذ۔ اسی کو الاسلام کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمکن فی الارض کے بغیر اسلام پر عمل پیرا ہوا ہی نہیں جا سکتا۔ دیکھئے قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو کیسے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (۲۲/۴۱)۔ یہ (یعنی اُمّتِ مسلمہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ یعنی جن امور کو خدا نے پسندیدہ قرار دیا ہے انہیں حکماً نافذ کریں گے اور جنہیں اس نے ناپسندیدہ کہا ہے انہیں قانوناً ممنوع قرار دیں گے۔ غرضیکہ ان کے تمام امور آخر الامر خدا کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی ان کا ہر فیصلہ قوانینِ خداوندی کی رُو سے ہوگا۔ اس استخلاف فی الارض (یعنی اسلامی مملکت کے قیام) کا بنیادی نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں دنیا کی کسی قوت کی طرف سے خوف لاحق نہیں ہوگا۔ اور اس سے وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ بلا غل و غش قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کر سکیں اور اس میں انسانوں کے خود ساختہ نظام کا شائبہ تک نہ ہو۔

اس مملکت کے قیام سے ہر اس نظام کی جڑ کٹ گئی جو ظلم و استبداد، سلب و نہب اور استحصال و آمریت کی بنیاد پر قائم تھا۔ اس میں ملوکیت، سرمایہ پرستی اور مذہبی پیشوائیت سب شامل تھے۔ صدرِ اول کی مملکت کی سب سے پہلی زد قریش پر پڑی لیکن انہوں نے پانچ سات سال کی مزاحمت کے بعد ہتھیار رکھ دیئے۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ عرب سے باہر کی دنیا میں، اس زمانے میں (سلطنتِ روما کی) بازنطینی شاخ اور ایران کی مملکت سب سے زیادہ قوت و حشمت کی مالک اور ممتاز ترین تہذیب کی مدعی تھیں۔ اسلامی نظام کا اثر بازنطینی اور ایرانی سلطنت دونوں پر ہوا۔ بازنطینی سلطنت پر اس کا اثر زیادہ عمیق نہیں تھا۔ لیکن ایرانی سلطنت اور اس کی ہزارہا سالہ تہذیب تو ملیا میٹ ہو گئی۔ وہ

ہونے کو تو مسلمان ہو گئے لیکن اس شکست کا زخم بڑا گہرا تھا اور اس سے انتقام لینے کا جذبہ بڑا شدید۔ انہوں نے سوچا

ایران کا جذبۂ انتقام

کہ مسلمانوں کی قوت کا مقابلہ تو ان کے بس کی بات نہیں۔ ایسا حربہ استعمال کرنا چاہیئے جس سے وہ بنیاد ختم ہو جائے جس پر ان کی قوت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ وہ بنیاد تھی دین کے تمکن کے لئے جماعتی زندگی اور اس کا نظام۔ انہوں نے اس کی جگہ مذہب کا تصوّر عام کر دیا۔ مذہب نام ہے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلّق کا جو (ان کے عقیدے کی رُو سے) بندگی، پوجا پاٹ، پرستش کی رُو سے قائم ہو جاتا ہے اور مقصد اس کا ہوتا ہے فرد کی انفرادی نجات۔ دین میں اس قدر بنیادی تبدیلی کیسے پیدا کر دی گئی، اس کی تفصیل میری کتاب "شاہکار رسالت" کے آخری باب میں ملے گی۔ اسی تبدیلی سے احکامِ شریعت کی انفرادی تعمیل مذہب کی غایت قرار پا گیا۔ ان احکام میں نماز باجماعت یا اجتماعِ حج میں جماعتی شکل دکھائی دیتی ہے، لیکن یہ محض رسمی اور ظاہری اجتماعیت ہوتی ہے۔ حقیقت سے اس کا کچھ تعلّق نہیں ہوتا۔ اس سے ایک اور خیال اُبھارا گیا کہ شریعت کی ظواہر پرستی سے "روحانیت" حاصل نہیں ہو سکتی۔ روحانیت کے لئے باطنی پاکیزگی نہایت ضروری ہے اور وہ تصوّف کی رُو سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یوں دین کی اصل بنیاد کو اکھیڑ کر رکھ دیا اور اُس وقت سے اِس وقت تک اسی کا نام اسلام رہ گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس تبدیلی کو عجمی سازش کہہ کر پکارا ہے اور واضح طور پر یہ کہا ہے کہ اسلام کا کوئی گوشہ بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکا۔

تمدن، تصوّف، شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پُجاری تمام

لیکن اس تبدیلی کے مؤیدین یا اس سے متأثرین نے اس لفظ "عجم" سے بھی عجیب فائدہ اٹھایا۔ جب تصوّف کے

عجمی اور اسلامی تصوّف

خلاف اعتراض کیا جائے تو یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ "عجمی تصوّف" کے متعلق ہے۔ "اسلامی تصوّف" کے متعلق نہیں۔ یعنی تصوّف جو اسلام کے خلاف کھلا ہوا چیلنج تھا اُسے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک عجمی تصوّف اور دوسرا اسلامی تصوّف! "اسلامی تصوّف" کی ترکیب ہی اس قدر غیر اسلامی ہے کہ اس کے متعلق کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ تصوّف، جو اقبالؒ کے الفاظ میں "اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا" ہے اسے اسلامی کہنا، اگر فریب دہی نہیں تو خود فریبی ضرور ہے۔ تصوّف کی (INSTITUTION) ہی سرے سے غیر اسلامی ہے۔

بعض حضرات کہہ دیتے ہیں کہ اسلامی احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کو تصوّف کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام (بقول ان کے) منافقت اور ریاکاری کی تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کو جو مخلصانہ طور پر احکامِ خداوندی

کی پابندی کرنا چاہتے تھے، کسی اور مسلک کی تلاش ہوئی۔ یہ مسلک تصوف کا ہے۔ معاذ اللہ! ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کے خلاف اس سے زیادہ سنگین الزام کوئی اور لگایا نہیں جا سکتا۔ قرآن کریم نے منافقت اور ریاکاری کو انسانیت کا بدترین جرم قرار دیا ہے اور اس روش کے اختیار کرنیوالوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نچلا درجہ بتایا ہے۔ (۴:۱۴۵) وہ کسی ایسے عمل کو عمل خیر تسلیم نہیں کرتا جس میں اخلاص نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ۔ (۳۹/۲) "اے رسولؐ! ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ سو تم کامل اخلاص کے ساتھ احکامِ خداوندی کی اطاعت اور محکومیت اختیار کرو اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ۔ مخلصانہ اطاعت صرف خدا کے لئے ہے۔ چند آیات آگے چل کر ہے۔ قُلۡ اِنِّىۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ (۳۹/۱۱) "اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں کامل خلوص کے ساتھ خدا کی اطاعت اور محکومیت اختیار کروں۔" اور خدا کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضورؐ کی لسانِ مبارک سے کہلایا گیا۔ قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِىۡ (۳۹/۱۴) "میں نہایت مخلصانہ انداز سے خدا کی اطاعت کرتا ہوں۔" نبی اکرمؐ کے بعد جماعتِ مومنین کے متعلق بھی بار بار کہا گیا کہ وہ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ (۴۰/۱۴) وہ نہایت اخلاص سے خدا کی اطاعت کرتے ہیں اور اس طرح مخلصانہ اطاعت کرنیوالوں کو اس نے عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ کہہ کر پکارا ہے (۳۷/۴۰)۔ اس نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم اگر ریاکارانہ طور پر اطاعت کرو گے تو اسے اسلام کہا جائیگا اور اگر مخلصانہ طور پر اطاعت کرو گے تو اس کا نام تصوف ہو گا۔ اگر اطاعت میں اخلاص نہیں تو اُسے اسلامی کہا ہی نہیں جائیگا۔ اور جب مخلصانہ اطاعت ہو تو اس کے لئے اسلام کے سوا کسی اور اصطلاح کی ضرورت نہیں۔ مخلصانہ اطاعت کے لئے "اسلامی تصوف" کی اصطلاح وضع اور اختیار کرنا مخالفینِ اسلام کی طرف سے اُس قسم کی نہایت لطیف اور پُرفریب وساوس انگیزیاں تھیں جن سے بچنے کے لئے قرآن کریم کی آخری سورۃ میں ان الفاظ میں تاکید کی گئی تھی کہ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِۙ مَلِكِ النَّاسِۙ اِلٰهِ النَّاسِۙ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَـنَّاسِۙ الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِۙ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ (سورۃ ۱۱۴) ان لوگوں کی وسوسہ انگیزیوں سے بچنے کے لئے جو دبے پاؤں آتے ہیں اور چپکے ہی چپکے کانوں میں کچھ پھونک کر پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور یوں لوگوں کے دلوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔

اُمّتِ مرحومہ کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوا اور اسلام کچھ کا کچھ بن کر رہ گیا۔ اسلام استخلاف فی الارض کا نام ہے۔ وہ قرآنی اقدار، اصول و احکام کے مطابق نظامِ معاشرہ (نظامِ مملکت) قائم کرنے کا نام ہے۔ جس اسلام کا نتیجہ یہ نہیں، کچھ اور ہے۔ خواہ اس کا نام کتنا ہی مقدس کیوں نہ رکھ لیا جائے۔　　والسلام!

حقائق و عبر

۱۔ کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا!

روزنامہ نوائے وقت لاہور، مورخہ ۶ مارچ ۱۹۸۸ء میں "نورِ بصیرت" کے کالم میں میاں عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں:۔

"اپنے اعمال پر ناز کرنا کسی بندے کو زیب نہیں دیتا۔ نیکی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔ صرف ان کی رحمت پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ جناب رسول ؐ پاک نے فرمایا "کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا"۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول ؐ اللہ! کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا "ہاں مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے آغوش میں لے لے ......" (بخاری و مسلم)

حدیث شریف میں بنی اسرائیل کے ایک ایسے شخص کا واقعہ مذکور ہے، جس نے ۹۹ قتل کئے تھے پھر اس نے اس عابد کو بھی قتل کر دیا جس نے اسے کہا تھا، کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی (متفق علیہ)۔"

"دین کا سارا نظام، قانونِ مکافاتِ عمل کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ دین کا مدار ہی نہیں بلکہ تمام کارگہِ کائنات کا مدار۔ مکافاتِ عمل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام اپنا متعین نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ خارجی کائنات کی ہر شے، قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے پر مجبور ہے، اس لئے وہاں ہر حرکت کا نتیجہ از خود مرتب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسے LAW OF CAUSE & EFFECT کہا جاتا ہے لیکن انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہے، اس لئے یہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق بھی زندگی بسر کرتا ہے اور ان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔ جب وہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ تعمیری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور جب یہ اُن کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ تخریبی ہوتا ہے یعنی اس سے اس کی ذات پستیوں کی طرف گر جاتی ہے اور جس قسم کے افراد ہوں گے اسی قسم کا معاشرہ ہوگا۔ لہٰذا معاشرہ کا دار و مدار بھی قانونِ مکافاتِ عمل پر ہوگا۔ یعنی کائنات کی کوئی شے

یا نظام، اس قانون کے احاطہ سے باہر نہیں۔"

(تبویب القرآن۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۲۷)

ملاحظہ فرمائیے ارشادات ربانی :۔

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (۹۹/۶-۷-۸)

"اس دور میں ہر گروہ کے اعمال کے نتائج نمایاں طور پر سامنے آجائیں گے جو ذرّہ برابر بھی اچھے اعمال کرے گا، اس کے حسنِ عمل کا خوشگوار نتیجہ اس کے سامنے آجائے گا اور جو ذرّہ برابر بھی بُرے اعمال کرے گا اس کا نتیجہ بھی (سزا کے طور پر) اس کے سامنے آجائے گا۔"

جب اعمال کا ذرہ ذرہ تل جائے گا تو اس وقت :۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ۝ نَارٌ حَامِیَةٌ ۝ (۱۰۱/۶-۱۱)

"جس شخص کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا، اس کی زندگی اس کی حسین آرزوؤں کے مطابق خوش آئند ہوگی اور جس کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا، وہ ذلت کی پستیوں میں گر جائے گا۔ جہاں اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا دل ودماغ کچھ کام نہیں دے گا اور وہ پریشان حال مارا مارا پھرے گا۔ یہ ذلت کی پستیاں کیا ہوں گی۔ بس یوں سمجھو کہ شعلہ خیز آگ، جو متاعِ انسانیت کو راکھ کا ڈھیر بنا دے۔"

اور حرفِ آخر قرآنِ کریم کا یہ ارشاد کہ :۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰى ۝ (۵۳/۳۹-۴۰)

"انسان کو وہی مل سکے گا جس کے لئے اس نے محنت اور کوشش کی ہوگی۔ اور (کسی کی محنت رائگاں نہیں جائے گی)، اس کا نتیجہ جلد ہی سامنے آکر رہے گا۔"

حتیٰ کہ قرآنِ کریم کے مطابق اس عظیم سلسلۂ ارض وسماوات کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا اس کو ٹھیک ٹھیک بدلہ مل جائے اور کسی پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو :۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵/۲۲)

"اللہ نے ارض و سماوات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ برآمد ہو جائے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔"

انسانی اعمال کی کیا اہمیت ہے، اس کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لسانِ مبارک سے قرآن میں یہ کہلوایا گیا کہ :-

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ٥ (۶/۱۵)

"ان سے کہہ دیجئے کہ اگر مجھ سے بھی معصیتِ خداوندی ہو جائے تو میں بھی عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"

مومنین کی زندگی کی منتہائے آرزو جنت بھی اعمال کے بدلے میں ہی ملتی ہے :-

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (۴۳/۷۲)

"اور یہ وہ جنت ہے جس کے وارث تم اپنے اعمال کے بدلے بنا دیئے گئے ہو۔"

کیونکہ جو کچھ ملتا ہے وہ اعمال ہی کا ثمر ہوتا ہے :-

..... هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ع (۷/۱۴۷)

"وہی کچھ ملے گا جیسے اعمال ہوں گے۔"

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے دیکھئے قرآن کریم کے مندرجہ ذیل متعلقہ مقامات :-

۳/۱۳۵ ، ۳/۱۹۴ ، ۶/۱۲۸ ، ۷/۴۳ ، ۱۶/۳۲ ، ۲۹/۵۸ ، ۳۲/۱۹ ، ۴۶/۱۴ ، ۴۶/۱۶ ، ۵۲/۱۰ ، ۵۵/۴۶ ،
۵۶/۲۴ ، ۶۹/۲۴ ، ۷۶/۲۲ ، ۷۷/۴۳ ، ۷۹/۴۰-۴۱ اور ۹۹/۸-۹ ۔

جو کچھ میاں عبدالرشید صاحب نے لکھا ہے وہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی نفی کرتا ہے اور قرآن کے مندرجہ بالا ارشادات کے خلاف ہے نہ جانے یہ لوگ، نورِ بصیرت کے نام سے کس قسم کے اندھیرے پھیلانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ اس سے تو اللہ کا سارا قانونِ جزا اور سزا غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ درحقیقت، عیسائیت کے تصورِ رحم اور عقیدۂ کفارۂ مسیحؑ کی صدائے بازگشت ہے جو اسرائیلیات کے ہمراہ ہماری کتبِ روایات میں درج ہو گئی ہے۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق کہ :-

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ٥ ۶/۵۰

"میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔"

آپؐ کا کوئی قول اور کوئی فعل تعلیماتِ قرآنی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

۲- جماعتِ اسلامی کے ریکارڈ کی درستی

ملک میں تیسرا مارشل لاء لگا تو جماعتِ اسلامی نے اس سے بھرپور تعاون کیا، اس تعاون کی بنا پر جماعتِ اسلامی کو مارشل لاء کی 'بی' ٹیم کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ مارشل لاء ختم ہونے کے بعد امیر جماعتِ اسلامی نے جماعت کے ریکارڈ کو درست کرنے کے لئے اخبارات کو جو بیان جاری کیا، اسے اخبارات میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا:-

"لاہور (نیوز ڈیسک) جماعتِ اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے کہا ہے کہ صدرِ مملکت کا چیف آف آرمی سٹاف رہنا پارلیمنٹ کی خود مختاری کے سر پر ایک لٹکتی تلوار ہے انہوں نے کہا کہ جماعتِ اسلامی کے اراکینِ پارلیمنٹ نے اس یقین دہانی پر آٹھویں ترمیم کو قبول کیا تھا کہ صدر پارلیمنٹ میں اپنے خطاب کے دوران چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ چھوڑنے کا اعلان کریں گے مگر وہ دوسروں کی طرح اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے انہوں نے کہا کہ صدر ضیاء موجودہ دور میں کسی بھی وقت جمہوری نظام کی صف لپیٹ سکتے ہیں انہوں نے کہا کہ مارشل لاء کے قوانین، احکامات، اور فوجی عدالتوں کے فیصلوں کو تحفظ دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔

(ہفت روزہ رضاکار لاہور بابت ۲۳ فروری ۱۹۸۸ء صـ)

اخبارات نے تو اس خبر کا عنوان یہ قائم کیا تھا "ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا" لیکن ہم نے وہی عنوان دیا ہے جو جماعت کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔

۳- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا محترم پرویز صاحب کو خراجِ عقیدت

محترم پرویز صاحب کے بارے میں ایک کتاب "پرویز اور قرآن" پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنی کوثر و تسنیم میں دُھلی زبان میں فرماتے ہیں:-

"برٹش حکومت کے محکمہ انفارمیشن کے ایک ملازم چودھری غلام احمد پرویز نے اپنے سفر کا آغاز اس خطہ کے اکابر علماءِ حق کے خلاف اپنی تند و تیز بلکہ سوقیانہ تحریروں سے کیا اور پھر ڈھیر سے ڈھیرے احادیثِ رسولؐ پر ہاتھ صاف کیا۔ ایک زمانہ میں پاکستان کی مسلم لیگی حکومت نے ان کی بھرپور سرپرستی کی کیونکہ وہ علامہ اقبال اور مسٹر جناح کا نام بہت الاپتے اور انہی کی محبت میں

مست ہو کر خادمانِ دین پر کیچڑ اچھالتے۔

ستم یہ کہ پرویز صاحب نے احادیث پر ہاتھ صاف کرنے کی غرض سے قرآن عزیز کا نام بہت لیا اور باور کرایا کہ ہم سے بڑھ کر خادم قرآن کوئی نہیں اور یہ کہ یہی کافی ہے۔ مولانا مدار اللہ ڈسٹرکٹ مردان کے قابل احترام نیک فطرت، نکتہ رس اور بیدار مغز عالم ہیں جنہوں نے اپنی اس جاندار تحریر میں دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ جناب پرویز کا تعلق قرآن سے محض ضرورت کے تحت تھا ورنہ اس شخص نے قرآن عزیز کی اس قدر تحریف معنوی کی ہے کہ بایدو شاید۔ ظاہر ہے تحریف لفظی تو کسی کے بس میں نہیں۔ بے توفیق لوگ تحریفِ معنوی کی آڑ میں اپنا کھیل کھیلتے ہیں اور یہی پرویز صاحب نے کیا۔ یہ کتاب اس دعویٰ کا ٹھوس ثبوت ہے۔ جسے جید علماء کرام نے بنظرِ تحسین دیکھا۔ قرآن و سنت کے خادموں کے لئے یہ نادر تحفہ ہے۔"

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کے قبیل کے دوسرے دبزعمِ خویش) علماء محترم پرویزؒ صاحب کے خلاف اس قسم کی زہر افشانیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان علماء میں، (آپس کے کبھی نہ ختم ہونے والے اختلافات کے باوجود) صرف ایک قدرِ مشترک ہے اور وہ ہے تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران ان حضرات کی ایک الگ آزاد مملکت کے حصول کی کوششوں کی مخالفت۔ (یہ مملکت قرآنی اصول و اقدار کی حکمرانی کے لئے حاصل کی جارہی تھی) چونکہ محترم پرویزؒ صاحب، قائدِ اعظم محمد علی جناح کی زیرِ قیادت، اس مذہبی مخالفت کی مدافعت کے محاذ کے سربراہ تھے اور ان قال اللہ اور قال الرسولؐ کے نام پر پاکستان کی مخالفت کرنے والے اسلام اور پاکستان دشمن عناصر کو شکست دینے میں، ان کا کردار انتہائی اہم رہا ہے اس لئے یہ شکستِ پندار کے انتقام ہی کی مختلف شکلیں ہیں جن کا اظہار یہ حضرات وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو انہی مخالفِ پاکستان علماء میں سے ایک کے ساتھ شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اس لئے یہ بھی ان حضرات کی ہمنوائی باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے محترم پرویزؒ صاحب کو "علامہ اقبال اور مسٹر جناحؒ کی محبت میں مست رہنے کا بھی مجرم ٹھہرایا ہے۔ غور فرمایئے کہ یہ حضرات، تصورِ پاکستان عطا کرنے والے عظیم ترمفکرِ اسلام حضرت علامہ محمد اقبالؒ علیہ الرحمۃ اور بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کے نام کس مجبوری کے تحت اور کس انداز سے لیتے ہیں۔ (علامہ اقبال اور مسٹر جناح)۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی اپنی INSTITUTION کے باہر کسی کا نام عزت سے لینے کا قائل ہی نہیں۔ چاہے کوئی شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ یہ صرف ایک دوسرے کو ہی "مولانا، قابلِ احترام، نکتہ رس اور بیدار مغز عالم دین وغیرہ کے القاب سے یاد کرنے کے عادی ہیں۔ تاکہ :۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

(حالانکہ قارئین ان کے باہمی فتوی ہائے تکفیر سے بخوبی واقف ہیں)۔ کیونکہ ان کے حلقۂ ارادت سے باہر تو انہیں پوچھنے والا کوئی ہوتا نہیں۔ لہٰذا یہ بین الاقوامی شہرت کے مالک علماء اور قرآنی سکالرز کو کیونکر پہچانیں۔ اس سے انہیں تو کچھ فائدہ نہ ملے گا۔

مزید برآں، ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے علم میں اضافہ کرنے کی غرض سے یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ محترم پرویز صاحب برٹش حکومت کے محکمہ انفارمیشن میں نہیں بلکہ ہوم ڈپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ اور اپنی اس حیثیت میں انہوں نے حصولِ پاکستان کی جنگ میں جس قدر گراں بہا خدمات سرانجام دی۔ اس کا اعتراف نہ صرف مملکتِ پاکستان کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز اصحاب بلکہ بانیٔ پاکستان حضرت قائدِاعظمؒ بھی کر چکے ہیں۔

اگر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب وغیرہ، کی معلومات کا یہ عالم ہے تو انہیں کسی پر تبصرہ کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

۴۔ صحتِ حدیث کے بارے میں محترم پرویز صاحب کا موقف

ہفت روزہ 'اہلحدیث' لاہور نے اپنی دو اشاعتوں بابت ۱۹ فروری اور ۲۶ فروری ۱۹۸۹ء میں "صحتِ قرآن کے لئے قرآنی مطابقت کا فریب"، کے عنوان کے تحت محمد رمضان سلفی صاحب کے قلم سے مسلسل مضمون شائع کیا ہے۔

محترم پرویز صاحب کے خلاف، ان کا طرزِ استدلال رواجی ہے۔ ان کا پورا مضمون درحقیقت صحتِ حدیث کے اثبات میں نہیں بلکہ نفیٔ قرآن کے بارے میں ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

محترم پرویز صاحب کی زندگی میں، یہ حضرات بارہا ان کے دلائل کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ اب، ان کی وفات کے بعد ان مسائل کو بارِ دگر اچھال کر یہ حضرات غالباً اس ہزیمت کا انتقام لینا چاہتے ہیں جو پرویز صاحب کی زندگی میں انہیں اُن کے ہاتھوں اٹھانا پڑی۔

ان کی بحث کا سارا مدار اس مفروضہ پر ہے کہ حدیث بھی وحیٔ منزل من اللہ ہے۔ اور چونکہ پرویز صاحب ایسا تسلیم نہیں کرتے اس لئے وہ ہمیشہ ان کی تنقید کا ہدف بنتے رہتے ہیں۔

قرآنِ کریم تمام مسلمانوں کے نزدیک وحیٔ خداوندی ہے۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل

یہ دی گئی ہے کہ:-

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝ [4/82]

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر (تدبر) نہیں کرتے۔ (یہ تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ) اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بے شمار اختلافات پاتے۔"

لہٰذا وحیٔ خداوندی کی بنیادی شرط اور معیار یہ ٹھہرا کہ اس میں اختلافات نہ ہوں، تضاد نہ ہو۔

ہم ہفت روزہ "اہلحدیث" سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اپنی وحی کے بارے میں، اس معیار پر ایمان رکھتے ہیں؟

اور اگر وہ ایمان رکھتے ہیں تو بتائیں کہ کیا مزعومہ احادیث، (جو باہم مختلف بھی ہیں اور متنازعہ فیہ بھی)، وحیٔ خداوندی کے اس معیار پر پورا اُترتی ہیں؟ اس کے لئے وہ جذبات سے کام نہ لیں بلکہ دیانت دارانہ طور پر علمی جواب لانے کی کوشش کریں۔ اور جواب دیتے وقت وہ اپنے سابقہ اور حالیہ اعترافات کو مدِنظر رکھیں کہ احادیث کی کتابوں میں باہم اختلافات موجود ہیں۔ اور ایک ہی کتاب میں ایک ہی روایت کے مختلف متون میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ اُن کا یہ جواب موصول ہونے پر ہم اُن کے دیگر سوالات کا جواب دیں گے!

ضمناً طلوعِ اسلام کے اگلے شمارہ میں ادارہ طلوعِ اسلام کی "مقامِ حدیث" کے عنوان سے کتاب کا پہلا باب "حدیث کی صحیح پوزیشن" شائع کیا جا رہا ہے جس سے اگر یہ اصحاب چاہیں تو استفادہ کر سکتے ہیں۔

دنیا کے مشکل ترین مسئلہ ــ تقدیر ــ کا قابلِ فہم اور بصیرت افروز حل

قرآن کریم کی روشنی میں

کتابُ التّقدیر

محترم پرویز صاحب کی کتاب

قیمت -/۶۰ روپے

(علاوہ محصول ڈاک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں

(مولانا) ابوالکلام آزاد مرحوم (وغیرہ) کی برسیاں؟

ان دنوں، پاکستان میں چند مخصوص عناصر کی طرف سے (مولانا) ابوالکلام آزاد مرحوم کی صد سالہ تقریبات کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی شخصیت، ان کی علمی خدمات اور سیاست پر ایسے مضامین منظرِ عام پر آ رہے ہیں جن سے ثابت ہو سکے کہ وہ ملّتِ اسلامیہ کے عظیم محسنوں میں سے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ (مولانا) آزاد مرحوم، اپنے 'دورِ الہلال' میں ایک نمایاں علمی شخصیت نظر آتے ہیں لیکن متحدہ ہندوستان کی سیاست میں آکر، جب انہوں نے مسٹر گاندھی کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس کے بعد، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے "الاسلام" کی بجائے، برہمو سماجی اسلام کے بہت بڑے مبلّغ بن گئے۔ انہوں نے ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ اپنی مشہور تفسیر، ترجمان القرآن کی پہلی جلد میں برہمو سماجی اسلام کے نظریہ کو دُہراتے ہوئے لکھا کہ:۔

۱۔ ا۔ اسلام نے نہ صرف یہی بتلایا ہے کہ ہر مذہب میں سچائی ہے، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔

۲۔ اس نے کہا کہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا، اس کے لئے نجات ہے خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

۳۔ اس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔

۴۔ اس نے کہا کہ اصل دین (یعنی ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی) کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں

یکساں طور پر موجود ہے۔ (ترجمان القرآن جلد اصفحہ ۱۹۳-۱۶۲ ۱۹۴۷ء ایڈیشن صفحہ ۲۱۴-۲۱۳-۱۸۹)
بحوالہ مطالب الفرقان جلد ۱ ایڈیشن ۱۹۷۵ء صفحہ ۸۲ از محترم غلام احمد پرویزؒ)

نہ جانے اُس زمانے میں، اُن کی نگاہوں سے اُمتِ مسلمہ کا یہ منفرد کردار کس طرح اوجھل ہو گیا جس کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۰ (۲/۱۴۳)

"اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی اُمت بنا دیا ہے (جو تمام اقوامِ عالم سے یکساں فاصلے پر (EQUI-DISTANT) ہے۔ تاکہ تم اقوامِ عالم کے اعمال کے نگران بن کر رہو اور تمہارا رسولؐ تمہارے اعمال کی نگرانی کرے"

چنانچہ ان کی بقایا زندگی کا مقصد یہ رہ گیا کہ:۔

اوّلاً۔ وہ اپنی تحریرات سے ثابت کرتے رہیں کہ اسلام کو بحیثیت دین۔ دوسرے مذاہبِ عالم پر کوئی برتری حاصل نہیں اور اسلام کہتا ہے کہ اگر تمام اہلِ مذاہب اپنے اپنے بانیانِ مذاہب کی لائی ہوئی سچائیوں کو اپنا لیں تو میرا مقصد پورا ہو جاتا ہے (یہ کہتے وقت انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ قرآنِ کریم کے دعویٰ کے مطابق اب وہ تمام سچائیاں جو وقتاً فوقتاً دوسرے انبیائے کرامؑ پر نازل ہوتی رہیں۔ اب صرف قرآن کریم کے اندر ہیں۔ کہیں اور نہیں)۔

آزاد مرحوم، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نظر انداز کر گئے کہ:۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۰ (۲/۱۳۷)

"جب یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح اے جماعتِ مومنین تم لائے ہو تو پھر انہیں صحیح راستہ پر سمجھا جائے گا"

اس قسم کے ایمان کے بغیر کوئی انسان اپنے آپ کو ہدایت یافتہ نہیں کہلا سکتا۔ جماعتِ مومنین اللہ پر کس طرح ایمان لائے تھے اس کی وضاحت رب العالمین نے یہ کہہ کر کر دی کہ:۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۰ (۴۷/۲)

(وہ ایمان لائے اس پر جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور جو اُن کے ربّ (نشوونما دینے والے) کی طرف سے حقیقت ثابتہ ہے"

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک، ہدایت پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرمؐ اور آپؐ پر نازل کردہ

(قرآنِ کریم) پر ایمان لایا جائے اور اسی کے مطابق اعمالِ صالحہ کئے جائیں۔

مسٹر گاندھی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد، (مولانا) ابوالکلام آزاد مرحوم اس مقام بلند سے گر گئے جو انہیں، ملّتِ اسلامیہ نے، قرآن کریم اور ختمی مرتبت حضور نبی اکرمؐ کے مبلّغ ہونے کی وجہ سے عطا کیا تھا۔ اس کے بعد اس سے اُن کی حیثیت پر کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ مکۃ المعظمہ (یا مثلاً کعبہ ہی) میں پیدا ہوئے اور ان کا بچپن مکہ اور مدینہ میں بسر ہوا۔

اسی بنا پر، تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران، ملّتِ اسلامیہ ہندیہ نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی اور قائدِ کاروانِ ملّت، حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر، پاکستان کے حصول کی کامیاب جدوجہد کی۔

ثانیاً چونکہ (مولانا) آزاد مرحوم، اس بیعتِ گاندھی کے بعد، اُمّتِ مسلمہ کی اُس انفرادی حیثیت کے منکر ہو گئے تھے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور جسے تصوّرِ پاکستان کے خالق، حضرت علّامہ محمد اقبالؒ نے یوں پیش کیا ہے :-

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر ۔۔۔ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار ۔۔۔ قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تیری

اس لئے انہوں نے ملّتِ اسلامیہ ہندیہ کی اپنے لئے ایک آزاد مملکت کے حصول کی کوششوں کی بھرپور مخالفت کی (یا للعجب! ایک مزعومہ، بہت بڑا عالمِ دین ایک ایسی مملکت کے حصول کی مخالفت کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطۂ حیات، قرآنِ کریم کے مطابق نظامِ زندگی قائم کرنے کے لئے حاصل کیا جا رہا تھا) اور عمر بھر کانگریس اور ہندوؤں کے آلۂ کار بنے رہے۔

نسیم حجازی نے، تقسیمِ ہند کو موضوع بنا کر 'خاک اور خون' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ ہندوؤں کی ان تمام سازشوں کا ذکر کرنے کے بعد، جن کا مقصد، ہندوستان سے اسلام کے وجود کو مٹانا تھا، (مولانا) آزاد مرحوم اور جملہ مخالفِ پاکستان علماء کے دلوں میں ایسا نشتر پیوست کرتے ہیں جس کی تکلیف، غالباً وہ تمام عمر محسوس کرتے رہے ہوں گے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ،

"مسلمانوں کے حلق میں یہ زہر اُنڈیلنے کے لئے، ان تجاویز کے بانیوں نے ایسے ہاتھ منتخب کئے، جن کی اُنگلیوں پر ابھی تک، قرآنِ حکیم کی تفسیریں لکھنے والے قلم کی سیاہی کے نشان موجود تھے"

(خاک اور خون ۱۹۸۶ء ایڈیشن صہ ۱۹۹)

حقیقت یہ ہے کہ، جیسا کہ طلوعِ اسلام میں ہمیشہ لکھا گیا ہے، اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ اور دین کے معنی ہیں نظامِ حیات' جو متقاضی ہے اپنی الگ آزاد مملکت کا جس میں اسے نافذ کیا جا سکے۔ چونکہ آزاد مرحوم اپنی تمام تر علمی قابلیتوں کے باوجود اسلام کا یہ تصوّر سمجھ ہی نہ سکے، اس لئے اُن کے سامنے مذہب کا عام تصوّر رہا جس میں خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی ہی نجات و سعادت کی راہ ہے۔

اسلام کے تصوّر کا یہی بنیادی فرق تھا جو بانیانِ پاکستان علیہم الرحمتہ اور آزاد مرحوم (و دیگر مخالف پاکستان علماء) کے درمیان وجہ مخاصمت اور باعثِ نزاع بنا ہوا تھا۔ پاکستان کے قیام سے آزاد مرحوم وغیرہم کے باطل نظریۂ اسلام کو شکست ہوئی اور اسلام کا "الدین" یعنی نظامِ حیات ہونے کا تصوّر فائز و کامران رہا۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب، کسی شخص کو بھی، پاکستان کا شہری رہتے ہوئے اور اس مملکتِ خداداد کے وسائل و ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ اس کے اندر رہتے ہوئے کسی ایسی شخصیت کی برسی یا صد سالہ برسی کی تقریبات کا اہتمام کرے جس کی عمر کا بیشتر حصّہ اس مملکت کے حصول کی کوششوں کو ناکام بنانے میں گذرا ہو اور جسے اس کا شہری بننے کی سعادت بھی نصیب نہ ہو سکی ہو۔ اس کے برعکس وہ بھارت کے اعلیٰ ترین مناسب پر فائز رہا ہو جس کی تمام تر کوششیں پاکستان کی مخالفت کے لئے وقف رہتی ہیں۔

ہم یہ سوال ان تمام پاکستانیوں سے بھی کرتے ہیں جو پاکستان کی جغرافیائی حدود میں ایسی تقریبات منعقد کرنے یا کرانے کے ذمہ دار ہیں اور مملکتِ پاکستان کے کارپردازان سے بھی کہ کیا وہ یہ سمجھتے اور جانتے ہیں کہ اس نوعیت کی کارروائیوں کے پیچھے کون سے عناصر کارفرما ہیں اور ان کے سامنے کیا مقاصد ہیں؟۔

طلوعِ اسلام بابت مارچ ۱۹۸۸ء کے لمعات میں، مولانا آزاد مرحوم کے، کانگریس کے اجلاس ۱۹۴۰ء منعقدہ رام گڑھ کے خطبۂ صدارت کا یہ اقتباس پیش کیا گیا تھا:۔

"ہندوستان کے لئے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین، انسانوں کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے۔ ابھی تاریخ کی صُبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور پھر ایک کے بعد دوسرا یہ سلسلہ جاری رہا..... انہی قافلوں میں ایک حجازی قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا جو پچھلے قافلوں کے نشاناتِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لئے یہاں بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک

دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے۔ لیکن پھر، جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے، دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ ظہور میں آیا اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کو ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔

ہماری ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے۔ ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے، وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خودبخود بنا کرتے ہیں۔ اب یہ سانچہ ڈھل چکا ہے اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی ہے۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں۔ علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔ ہمیں قدرت کے فیصلے پر رضامند ہونا چاہیئے اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہیئے۔"

جب (مولانا) آزاد مرحوم، اپنے اس خطبۂ صدارت کے مطابق، **ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم کے فرد کی حیثیت سے عمر بھر بھارت میں رہتے ہوئے اپنی قسمت کی تعمیر میں لگے رہے۔** تو پھر اُن کا ہمارے پاکستان اور حضور ختمی مرتبت نبئ اکرمؐ کے اسلام کے ساتھ کیا تعلق باقی رہا جس کی بنا پر بعض لوگ، پاکستان میں اُن کی برسیاں مناتے پھر رہے ہیں؟

ہم حکومتِ پاکستان سے دردمندانہ لیکن پُرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس نوعیت کی کاروائیوں کا سختی سے نوٹس لے جن کا مقصد، درحقیقت نظریۂ پاکستان کو باطل ٹھہرانا اور مملکتِ پاکستان کو کمزور بنانا ہے۔ تاکہ یہ لوگ اپنے مشئوم عزائم میں کامیاب نہ ہونے پائیں۔

یاد رکھیئے! مملکتِ پاکستان کے صاحبِ اقتدار افراد پر، اپنے مناصب کی جہت سے یہ مقدس فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس مملکت کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے محافظوں کا کردار ادا کرتے رہیں کیونکہ اس کے متعلق اُن سے باز پُرس ہوگی!

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی

مطبوعات کی قیمتیں

TEL: 879246

فروری ۱۹۸۸ء

نوٹ: ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں۔

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ کھلے پارے)	روپے ۱۵۰/-
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۶/- "
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (")	۵/- "
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ مجلد)	۱۸۰/- "
(تین جلدوں میں)۔ فی جلد	۶۰/- "
لغات القرآن (مکمل سیٹ۔ مجلد)	۲۷۵/- "
جلد اوّل، دوم، چہارم۔ تازہ ایڈیشن۔ فی جلد	۷۵/- "
جلد سوم۔	۵۰/- "
تبویب القرآن۔ تازہ ایڈیشن	۲۵۰/- "
مطالب الفرقان۔ (جلد اوّل)	۷۵/- "
مطالب الفرقان۔ جلد دوم۔ تازہ ایڈیشن	۷۵/- "
مطالب الفرقان۔ جلد سوم	۷۵/- "
مطالب الفرقان۔ جلد چہارم	۹۰/- "
مطالب الفرقان۔ جلد پنجم	۷۵/- "
مطالب الفرقان۔ جلد ششم	۷۵/- "
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- "

نام کتاب	قیمت
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	روپے ۷۵/-
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- "
برقِ طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- "
شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- "
معراجِ انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۹۰/- "
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	۱۵/- "
انسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- "
اسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/- "
کتاب التقدیر (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- "
جہانِ فردا تازہ ایڈیشن۔	۴۵/= "
شاہکارِ رسالت (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- "
نظامِ ربوبیت (جدید ایڈیشن)	۷۵/-
تصوّف کی حقیقت (تازہ ایڈیشن)	۶۰/= "
قرآنی قوانین (جدید ایڈیشن)	۲۵/- "
سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۱۰۰/- "
جلد اوّل، دوم۔ فی جلد ۳۰/- روپے	
جلد سوم۔ فی جلد ۴۰/- "	
طاہرہ کے نام خطوط	۱۰/- "
مقامِ حدیث	۲۰/- "

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
قرآنی فیصلے جلد اول (بشمول اول، دوم اور سوم)	۹۰/- روپے	حسبِ ذیل کتب کے سابقہ ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔	
(جلد چہارم -/۲۰ روپے) (جلد پنجم -/۲۰ روپے)	۴۰/- روپے	تازہ ایڈیشن چھپنے پر اعلان کیا جائے گا۔	
ختم نبوت اور تحریک احمدیت (تازہ ایڈیشن)	۴۵/- "	جہاد، سلسبیل، بہارِ نو، الفتنۃ الکبریٰ،	
اسلامی معاشرت	۶/- "	فردوسِ گم گشتہ، عربی خود سیکھئے،	
اسبابِ زوالِ اُمت (تازہ ایڈیشن)	۵/- "	پاکستان کا معمارِ اول، منزل بہ منزل	
قتل مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	۱۲/- "		
حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (تازہ ایڈیشن)	۱۲/- "	**تصنیفات (انگریزی) ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب**	
فجر الاسلام (مکمل)	۲۰/- "	PHENOMENA OF NATURE & THE QUR'AN	۸۴/- روپے
اقبال اور قرآن، جلد اول - تازہ ایڈیشن	۲۵/- "	CONSPIRACIES AGAINST THE QUR'AN	۶۸/- "
" " جلد دوم - زیرِ طبع	—	FOOD & HYGIENE IN ISLAM	۹/- "
تاریخ الامت - ۶ جلدیں	۳۰/- "	THE HEAVENS, THE EARTH & THE QUR'AN	۸۴/- "
PRINCIPLES OF LAW MAKING IN ISLAM	۶/- "		
ISLAMIC WAY OF LIVING	۲۵/- "		
ISLAM: A CHALLENGE TO RELIGION	۷۵/- "	GATEWAY TO QUR'AN	۵۴/- "

ماہنامہ طلوعِ اسلام کا سالانہ چندہ

(۱) اندرونِ ملک پاکستان -/۴۸ روپے

غیر ممالک بذریعہ بحری ڈاک -/۱۱۰ روپے

۲- غیر ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک

(i)- ایران، عراق، مصر اور بنگلہ دیش -/۱۴۰ روپے

(ii)- عرب امارات، لبنان، یمن، کویت، سعودی عرب، سری لنکا، جزائر مالدیپ وغیرہ۔ -/۱۵۰ روپے

(iii)- انڈیا، برما، لیبیا، کینیا، یوگنڈا، جنوبی افریقہ وغیرہ -/۱۶۰ روپے

(iv)- یورپ کے ممالک (برطانیہ، فرانس، ناروے وغیرہ) -/۱۹۰ روپے

(v)- جنوب مشرقی ایشیائی ممالک (فلپائن، سنگاپور، ملائشیا، جاپان وغیرہ) -/۱۹۰ روپے

(vi)- امریکہ، کینیڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، جزائر فجی وغیرہ -/۲۰۸ روپے

(۳) مذکورہ بالا چندہ میں خرچ ڈاک شامل ہے۔ البتہ جو خریدار پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوانا چاہیں ان کی طرف فیس رجسٹری (-/۳ روپے فی پرچہ) علیحدہ ادا کرنا ہوگا۔ والسلام

نوٹ: ماہنامہ طلوعِ اسلام کے لیے صرف ادارہ طلوعِ اسلام کو لکھیے۔

کتابیں ملنے کے پتے (۱) طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵-بی، گلبرگ ۲، لاہور، (۲) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عمر دراز

نکاح - بلند معاشرتی قدر!

ہمارے ہاں مولوی صاحبان، نکاح پڑھاتے وقت حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف ضرور پڑھتے ہیں:-

"النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی"

جس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ:-

"نکاح میری سنّت ہے۔ سو جو میری سنّت سے منہ پھیرے (یعنی نکاح نہ کرے) وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جو شخص (مرد یا عورت) بلوغت کے بعد نکاح کئے بغیر فوت ہو جائے اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

غالباً اسی سے متأثر ہو کر ہمارے ہاں بعض حضرات، ظرافت کے رنگ میں، اپنے دوستوں کی شادی پر اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ اس کا جنازہ جائز کرنے جا رہے ہیں۔ اور ایسے واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں:-

"گذشتہ روز سمبڑیال کے قریب تحصیل ڈسکہ کے گاؤں کلوں میں ایک مردہ خاتون کا شیشم کے درخت کے ساتھ نکاح پڑھوایا گیا۔ اس واقعہ کے عینی شاہد، محمد یوسف گھمن، جو کہ ٹیلیفون ریونیو آفس میں ملازم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص، حسن محمد کشمیری کی چالیس سالہ دختر کا بغیر شادی کے انتقال ہو گیا، چنانچہ جب میت کو جنازگاہ پہنچایا گیا تو لوگوں نے جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا کہ چونکہ اسلام میں جو مرد یا عورت بغیر نکاح کے فوت ہو جائے اس کا جنازہ جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس عورت کا جنازہ جائز نہیں ہو سکتا۔ اس پر متوفیہ کے ورثا نے جنازگاہ ہی میں اس علاقہ کے مولوی برکت علی سے عورت کا نکاح شیشم کے درخت سے پڑھوایا اور اس موقع پر آئے ہوئے لوگوں کو چاول پکا کر کھلائے گئے جس کے بعد اس کا جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا گیا۔"

(روزنامہ سیاست لاہور ۳۱ جنوری ۱۹۷۸ء
بحوالہ طلوع اسلام مارچ ۱۹۷۸ء)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولوی صاحبان نے حدیثِ نبویؐ کے غلط مطلب سے کس قسم کی جہالتیں پھیلا رکھی ہیں۔

ذرا تصور میں لایئے اس کھیل کو کہ ایک مردہ عورت کا نکاح، دوسرے مردہ (شیشم کے درخت) سے پڑھوایا گیا (خدا جانے اس شکل میں یہ لوگ نکاح کی انتہائی لازمی شرط، ایجاب وقبول کو کس طرح پورا کرتے ہیں) اور اس طرح اس عورت کا جنازہ جائز ہو گیا جو اپنی زندگی میں یہ کچھ نہ کر سکی۔ اور جنازہ پڑھنے کے لئے آنے والوں نے نکاح (شادی) کا پلاؤ کھایا۔

نکاح وطلاق کے احکام دیتے وقت اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہ تنبیہ کی ہے کہ:۔

وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۲/۲۳۱

اور (دیکھنا) ہمارے احکام کا مزاق نہ اُڑانا۔

محولہ بالا حدیثِ نبویؐ، قرآن کریم کی ایک بلند معاشرتی قدر کی ترجمانی کرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ جنسی رشتہ صرف نکاح کی حدود میں استوار کیا جا سکتا ہے۔ نکاح کی بندشوں کے باہر، جنسی رشتے، زنا تصور کئے جاتے ہیں اور قرآنِ کریم کی مقرر کردہ سزا کے مستوجب۔

اور نکاح کا مقصد بھی یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۴/۲۴

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ۴/۲۵

یعنی جنسی توانائیوں کو قلعہ بند کر دینا اور انہیں بلا مقصد بہانے (ضائع کرنے) سے روک دینا۔

یہ حدیثِ نبویؐ شریف بھی قرآنِ کریم کی اسی قدر کی نہایت خوبصورتی سے وضاحت کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ ہے کہ:۔

"میری سنّت (طریقہ) یہ ہے کہ جنسی رشتے صرف نکاح کی حدود میں قائم کئے جائیں۔ جو شخص بھی (مرد یا عورت) ان رشتوں کو نکاح کی حدود سے باہر استوار کرتا ہے اس کا، مجھ سے کوئی تعلق نہیں"

اور یہ چیز آپ سمجھ سکتے ہیں کہ معاشرہ میں، اخلاق و کردار کی کس حسن وخوبی سے تربیت کرتی ہے اور کتنی برائیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

کاش ہمارے مولوی صاحبان، مردوں (مرد اور عورت) کے نکاح شیشم یا بیری کے درخت کے ساتھ پڑھا کر اپنا پلاؤ اور اپنی فیس کھری کرنے کی بجائے، تعلیمات قرآن وحدیث کو سمجھنے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں (جس کی ان سے توقع، ہم سمجھتے ہیں کہ عبث ہے)، اور جہالت کو پروان

چڑھانے کی بجائے قرآنی اقدار و احکام کو فروغ دیں۔ کیونکہ یہ صرف قرآنی احکام و اقدار کی پابندی ہے جو معاشرہ میں حسن اور توازن پیدا کر سکتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ۱۷/۹

"بلاشبہ یہ قرآن، انسانیت کو سفرِ زندگی میں، وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ توازن بدوش اور سیدھی ہے"۔

issue of "Tahzibul-Akhlaq" Syed Ahmad says that he tried to awaken his people from their slumber and remarks sadly "If we have not been able to generate national feeling, national pride and self-honour among our people, we have at least brought these words into the Urdu language."[14] It is true that although one could not see any spectacular changes, a quiet revolution in the minds of the people had been set in motion. They had been made somewhat receptive to new educational policies and familiar to the immense possiblities of the human mind. Hadi Hussain says: "It had induced the thinking minds among the Muslims to consider how far the fundamental attitude of the Muslims towards the new world in which they found themselves was correct."[15] But it must be pointed out that these thinking minds were restricted to a limited circle of Muslims. Hali, the friend and biographer of Syed Ahmed, emphasises that the illiterate, who formed the big majority of the Muslim population, remained totally outside the influence of "Tahzibul-Akhalq". They did not even know "wherefrom the name Tahzibul-Akhlaq was derived." As for the upper class or the nobility, they were too smug with their existence. Hali says it was "as hard to show them that the Muslims were going backwards as it is to warn water-fowl of a tempest." Hence Syed Ahmed's movement was essentially a middle-class movement, and about them Hali says that "they were neither ignorant, nor yet skilled in all sciences."[16] Perhaps to begin with even this was no mean achievement. Changing of mental attitudes is not a story of a day but centuries in any given space or time.

- continued -

14 Muqalate Sir Syed - Volume 10 page 61.
15 Hadi Hussain - "Syed Ahmed Khan" page 88.
16 Altaf Hussain Hali - "Hayate-Javaid" page 221.

medieval Islamic notions of other-worldliness, and it was certainly not easy. In this connection an autobiographical allegory titled "The Story of the Foolish Religious Man and the Wise Worldly Man" is noteworthy. His ultimate educational objectives and his clash with the Ulemas and Sufis is very well clarified. Hence this allegory has been reproduced in Appendix I. He did not believe that wallowing in poverty was religious piety and he attacked it in strong words. Another obstacle in his way were the unwritten customs and usages. Customs die hard, all the more so if they manage to get religious sanctions, so he spared none in "Tahzibul-Akhlaq". He said "To practise customs, even if they happen to be good, without thinking and understanding, do not allow the development and blossoming of those qualities that God has bestowed upon each man as a unique individual ...... To be fettered by customs is everywhere an obstacle to human progress as it has such control over human faculties that through it one continuously fails to aim at something that would be of more use, and it is the first cause of the downfall of mankind."[11]

As deadly as customs is prejudice. It can never allow man to see things in proper perspective. In an article on "Prejudice" he warned: "This is such a serious fault that it ruins all the good qualities of man ..... It happens many times that someone considers a certain deed to be very important and beneficial, but merely on account of prejudice he does not perform it, and knowingly he remains entangled in evil and keeps himself from what is good .... Art and sciences are such important things that through them everything must reach a very high point of accomplishment, but prejudice obstructs the development of anything by means of art and sciences."[12]

Thus Syed Ahmed educated the Muslims of India towards a healthy, positive and optimistic view of life. He attacked everything that obstructed development no matter how sacred it might be to them. Sometimes he used really strong language to shock them out of their apathy and sulleness. This first crusading phase of "Tahzibul-Akhlaq" lasted till 1876 when Syed Ahmad got busy in the establishment of Aligarh School and College, and terminated its publication.[13]

How far was he successful in his mission? In a powerful article in the last

11 Muqalate Sir Syed - Volume 5 pages 21-25.

12 Ibid pages 347-348.

13 Tahzibul-Akhlaq was twice revived, from 1879 to 1881 and from 1894 to 1897. But the first phase was the most important, the most productive, effective and vital. The later phases lacked the sting, partly because Syed Ahmed was very much involved in College activities and partly because the people were now aware of his basic attitudes.

a Muslim Renaissance. Syed Ahmed was thus plunging his people into a new venture in living, from the medieval into the modern world, and there was hardly an aspect of life that he did not touch. As such, Renaissance is a befitting word to use.[6]

The most touchy of all the aspects was the religious susceptibilities in its medieval traditional folds. He, therefore, attempted to clarify his position in the very first editorial already partly quoted above. "It is true," he said, "that a peoples' religion has much to do with its being civilised. There are undoubtedly some religions which are subversive of civilisation. We have to see if Islam is one of them."[7] Then he goes on to explain that Islam is conducive to civilisation, and that all its ugly and retrogressive features had extraneous sources other than the Quran. He condemned the Ulemas as a class for upholding that ugliness and retrogression and chided them for turning the people away from their own material and moral uplift. In fact throughtout his life he carried on a relentless battle against them and once wrote desperately: "Alas; we cannot meet God, and the Holy Prophet is no longer in this world, otherwise I should have caught everyone of these people by the hand, led him to them, and cried, 'O God, O Prophet of God, please decide between me and these people and tell us who is your real friend - I, a humble sinner, or these religious people,."[8]

Syed Ahmed's work in reconstructing Islam was stupendous,[9] but that should not detain us here. However, a reference to it was necessary because medieval Islam and its custodians obstructed him at every step in his educational plans. He envied Steele and Addison because their role was restricted to morals and manners only. "Steele and Addison," he said, "enjoyed one great facility: their writings were confined to civilisation, good manners and refinement and had nothing to do with controveersial religious subjects. We too wish to avoid religious subjects; but with us (Indian Muslims) all customs and usages are so intertwined with religion tht we cannot say a thing about culture and good manners without getting involved in a religious discussion ...... Thus in India we need not only a Steele or an Addison, but also a Luther."[10] The fact is that Syed Ahmed's educational policies were inevitably linked up with the demolition of

---

6 V.H.H. Greene describes European Renaissance as follows: "Broadly speaking it represented a change of outlook as a result of which men began to view the old material of literature and art in a new way, thus arriving at new mental concepts in literature, art, religion and science." Renaissance and Reformation - page 32.

7 Muqalate Sir Syed - Volume 10 pages 35-38.

8 Muqalate Sir Syed - Volume 5 page 85.

9 Apart from scores of articles and speeches on the subject he also wrote a commentary on the Quran, three-fourth of which only was completed when he died.

10 Muqalate Sir Syed - Volume 10 pages 39-50.

- continued from March 1988 -

CHAPTER IV

PREPARATION

We have seen that Syed Ahmed's visit to England had convinced him more than ever before of the need to impart western education to his people. Alongside, he had also "discovered means for the realisation of it."[1] He discovered that even before his plans for the establishment of a college for Muslims materialise, he will have to mentally prepare them to accept such a possibility. Hadi Hussain says "without an enlightened public opinion adequate support for the educational institution could not be ensured."[2] The pall of ignorance, prejudice and above all injured pride would have to be dissolved before he could launch his educational policy. To achieve this he started a periodical magazine, "Tahzibul-Akhlaq" in 1870, soon after his arrival from England. He modelled it on "The Tatler" and "The Spectator" of Steele and Addison. He greatly admired their civilising role in England more than a hundred and fifty years ago.[3] Essentially non-political, these periodicals dealt with "general questions of manners and morality" and in a serious but pleasant style ridiculed the hypocrisy, corruption and the strife among the people of England at the time.[4]

Without mincing words Syed Ahmed declared his role to be a similar one - to civilise the Muslims of India. The first editorial of the first issue of "Tahzibul-Akhlaq"[5] stated: "The purpose behind the publication of this paper is to induce the Muslims to adopt a high degree of civilisation so that they no longer incur the contempt of civilised peoples, but on the contrary take their place among the respected and civilised nations of the world." Then he defined the word civilisation as he understood it. "Civilisation is a word with vast meanings implying the improvement to a high degree of refinement of all man's voluntary actions, words, social dealings, ways of living, ways of spending time, sciences, arts and crafts, so as to ensure mental happiness, bodily fitness, dignity, honour and respect." The aim is an all round development of man, his reawakening to an improved way of life, which in other words, was the reevaluation of the medieval set up, a new way of looking at the various facets of life - in short, bringing about

---

1 J.M.S. Baljon - "Syed Ahmed Khan" page 33.

2 Hadi Hussain - "Syed Ahmed Khan" page 83.

3 Muqalate Sir Syed - Volume 10 pages 39-40.

4 Encyclopaedia Britannica quotes "The Spectator" as follows: "(The Spectator was to) bring philosophy out of the closets and libraries, schools and colleges, to dwell in clubs and assemblies, at tea-tables and in coffee-houses." Vol: I page 155.

5 Muqalate Sir Syed - Volume 10 pages 35-38.